ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

تفسیر

بیان السُّبحان

کا

پارہ نمبر ۱۲

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ

فاضلِ اجل حضرت مولانا سیّد عبد الدائم جلالی

وہ تفسیر جو رسالہ مولوی دہلی میں ۱۳۵۶ھ سے باقساط ہر ماہ شائع ہو رہی ہے

[illegible]

toobaafoundation.com

عطاء الرحمٰن صدیقی مالک وسیم بکڈپو دیوبند

نے برائے اشاعت معارف القرآن

محمدی پرنٹنگ پریس دیوبند (یو۔پی) سے شائع کیا

بارھواں ۱۲ پارہ

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

اور زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمہ اس کی روزی نہیں وہ اُس کے رہنے

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۚ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

کی جگہ اور اُس کے سپردِ خاک ہونے کے مقام کو جانتا ہے سب لوح محفوظ میں موجود ہے

تفسیر یہ بھی اللہ کے معبود برحق ہونے کا ثبوت ہے۔ عمومی رزق کی کفالت اور احاطۂ علمی دو باتیں اس آیت میں بیان فرمائی ہیں۔

لفظ عَلَى اللّٰهِ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخلوق کو رزق دینا اللہ پر واجب ہے۔ وجوب دو قسم کا ہوتا ہے۔ وجوب الزامی اور وجوب اختیاری، امام رازی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ پر مخلوق کو رزق دینا بطور اختیار واجب ہے۔ یعنی اللہ نے اپنے فضل و احسان سے تمام مخلوق کے رزق کی کفالت فرمائی ہے۔

بعض مفسرین کے نزدیک عَلَى اللّٰهِ بمعنی مِنَ اللّٰهِ کے ہے۔ مجاہد کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ مُسْتَقَرَّ سے مراد زندگی میں ٹھہرنے اور رہنے کا ٹھکانہ اور مُسْتَوْدَع سے مراد مدفن ہے۔ ابن مسعود سے مرفوعاً مروی ہے کہ اگر تم میں سے کسی کی موت کسی زمین میں سے مقدر ہو تو وہاں جانے پر اس کو کوئی ضرورت مجبور کرے گی۔ یہاں تک کہ جب وہ انتہا مقام پر پہنچ جائے گا تو اس کی روح قبض کی جائے گی اور قیامت کے روز زمین عرض کرے گی یہ وہ ہے جو تو نے مجھے بطور ودیعت سپرد فرمایا تھا (رواہ الحاکم وصححہ) مجاہد، ضحاک اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کا (دوسرا قول) ہے کہ مُسْتَقَرَّ سے مراد رحم مادر اور مُسْتَوْدَع سے مراد پشتِ پدر ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک مُسْتَقَرَّ سے مراد سیرگاہ اور مُسْتَوْدَع سے مراد قیام گاہ ہے۔ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ سے مراد لوح محفوظ یا علم الٰہی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ اللہ ہی تمام مخلوق چرندہ، پرندہ، درندہ وغیرہ کی روزی کا کفیل ہے۔ وہی سب کو رزق عطا فرماتا اور رزق کے ذریعہ کے ذریعہ سے زندگی کو باقی رکھتا ہے اور وہی کل مخلوق کی ہر حالت کو جانتا ہے۔ حالتِ عدم اور حالتِ وجود کے تمام لوازم و مقتضیات و کیفیات سے وہی واقف ہے، پھر کون سی وجہ کہ اس کے سوا دوسرے کی پرستش کی جائے اور اس کی ربوبیت والوہیت میں کسی غیر کو شریک بنایا جائے۔

مقصودِ بیان ہر جان دار کے رزق کا اللہ کفیل ہے۔ اللہ ہر جزئی کی حالت کو بلا واسطہ جانتا ہے۔ خواہ جزئیات مادیہ ہوں یا غیر مادیہ۔ علم الٰہی کا تعلق ممکنات سے قبل از وجود ہوتا ہے۔ ہر جان دار کے مرنے کی جگہ دفن ہونے کا مقام مقرر ہے۔ اللہ کی لوح محفوظ میں ہر چیز کی پیدائش سے قبل کل معلومات کا اندراج ہے کسی کا استثنا نہیں ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِيْ سِتَّةِ أَيَّامٍ وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى

اُسی نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ دن کے دور میں پیدا کیا اور اُس وقت اُس کا عرش پانی

toobaafoundation.com

الْمَاءِ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۗ وَلَئِن قُلْتَ إِنَّكُم مَّبْعُوثُونَ مِن بَعْدِ الْمَوْتِ

پر تھا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں کون اچھے عمل کرنیوالا ہے (اے محمدؐ) اگر تم کہو کہ مرنے کے بعد یقیناً تم سب (زندہ کئے جاؤگے) تو

لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَلَئِنْ أَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ

کافر ضرور کہیں گے کہ بس یہ تو کھلا ہوا جادو ہے اور اگر چند روز کے لئے ہم اُن سے عذاب کو

إِلَىٰ أُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهُ ۗ أَلَا يَوْمَ يَأْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا

ملتوی کردیں تو کہیں گے عذاب کو کیا چیز روک رہی ہے خوب سُن لو جس دن اُن پر عذاب آئے گا تو ٹالے نہ ٹلے گا

عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ۝ ع

اور وہی اُن کو گھیرے گا جس کا وہ مذاق اُڑاتے تھے

اوپر کی آیت میں اپنی ربوبیت اور احاطۂ علمی سے اپنی الوہیت پر استدلال فرمایا تھا۔ اس آیت میں خلاقیت سے الوہیت کو ثابت کرتا ہے اور اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرما کر حشر بعد الموت کا ثبوت پیش کرتا ہے۔

اس آیت کے چار حصے ہیں: (۱) کل عالم کا چھ روز کے دور میں پیدا کرنا۔ (۲) تخلیق عالم سے قبل عرش الٰہی کا پانی پر ہونا۔ (۳) نیک و بد کی آزمائش کر کے تمام مخلوق کو جمع کرنا۔ (۴) تاخیر عذاب کی وجہ۔ نمبر اول کی تشریح سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اس کی تکرار غیر مفید ہے۔ نمبر دوم کی تحقیق سے قبل چند احادیث نقل کرنی ضروری ہیں جن سے اصل مقصد کی وضاحت ہوتی ہے عمران بن حصینؓ سے مروی ہے کہ ایک روز بنی تمیم اور اہل یمن خدمتِ گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضورؐ نے بنی تمیم سے فرمایا بنی تمیم بشارت قبول کرو۔ بنی تمیم نے جواب دیا حضورؐ آپ نے بشارت تو دے دی کچھ (مال بھی) دے دیجئے۔ حضورؐ نے اہلِ یمن کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تم بشارت قبول کرو۔ یمن والوں نے کہا ہم نے بشارت قبول کی، لیکن یہ فرمائیے کہ سب سے پہلے کیا چیز تھی؟ ارشاد فرمایا ہر چیز سے پہلے اللہ تھا اور اس کا عرش پانی پر تھا اور لوح محفوظ میں اس نے ہر چیز کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اس حدیث کو احمد، مسلم اور بخاری نے مختلف الفاظ میں نقل کیا ہے۔

عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ سے مروی ہے حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال (یعنی ایک طویل مدت) پہلے مقادیر خلائق کو مقدر فرمایا اور اس کا عرش پانی پر تھا (رواہ مسلم) ابو ہریرہ، ابو زرین اور بعض دیگر صحابہؓ کی روایات سے بھی عرش کا پانی پر ہونا ثابت ہے۔ مجاہد، ربیع بن انس، وہب، ابن منبہ، ضمرہ قتادہؒ وغیرہم علماء کا بھی یہی قول ہے۔

پانی پر عرشِ الٰہی تھا۔ اس کو فلسفی دماغ رکھنے والے مشکل سے قبول کریں گے۔ بالاتفاق یہ امر مسلم ہے اور بعض احادیث سے بھی مترشح ہے کہ اس کائنات سے پہلے گیس اور ہوا تھی، ہوا نے آبی شکل اختیار کی۔ پانی پر عرش ہونے کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ پانی پر عرش سوار تھا بلکہ صرف فوقیت اور علو دکھانا مقصود ہے جس طرح موجودہ کائنات کے اوپر عرش ہے۔ اسی طرح وجود کائنات سے قبل جب پانی ہی پانی تھا تو عرش پانی سے اوپر تھا اور پانی سے اوپر ہوا تھی۔ گویا مبدا تخلیق عرش الٰہی تھا جس نے ہوا کو پیدا کیا اور ہوا سے پانی بنایا۔ اب رہی یہ بات کہ عرش سے آیت میں کیا مراد ہے؟

عرش کے لغوی معنی ہیں بلندی اور رفعت۔ عرشِ الٰہی بھی سب سے بلند ہے۔ اسی لئے اس کو عرش کہا جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آیت

toobaafoundation.com

میں لغوی معنی مراد ہوں یعنی مبدء تخلیق آب و ہوا محض تصرف اور قدرتِ الٰہی تھا۔ کائنات میں کوئی چیز اس وقت پیدا نہ ہوئی تھی۔ صرف ہوا اور پانی کی تخلیق ہوئی تھی اور یہ تخلیق بھی ایجادی شکل میں تھی۔ بغیر مادہ کے ہوئی تھی۔ پانی اور ہوا کا مادہ بھی پہلے موجود نہ تھا۔ اللہ نے اپنی رفعت، شان اور علوِ قدرت سے ان کے مادہ کو نیست سے ہست کیا اور ان کی صورت کو عدم سے وجود میں لایا۔ لفظ عَلٰی استیلاء اور غلبہ اور کامل تصرف ظاہر کر رہا ہے۔

(۴) اللہ نے تخلیق عالم صرف انسانوں کی آزمائش کے لئے کی کہ کون نیک ہے کون بد۔ کس کے اعمال سب سے اچھے ہیں۔ کس کے اچھے کس کے برے۔ ظاہر ہے کہ اللہ کو قبل تخلیق بھی اس کا کامل علم تھا اور آزمائش صرف علم حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ لہٰذا امتحانِ الٰہی بے سود ہے۔ صاحبِ بیضاوی نے اس شبہ کا حل اس طرح کیا ہے کہ تمام عالم میں کل اسباب ما سوا انسان کے وجود و معاش کے موجب اور اعمال کے ضروریات ہیں نہ وجود خالق سے ان پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ فطری الٰہی کے یہ دلائل ہیں۔ گویا ان کی تخلیق اس طرح ہوئی ہے جیسے آزمائش کے لئے ہونی چاہیئے۔ واقع میں اگرچہ اللہ کو کسی امتحان کی ضرورت نہیں، مگر بظاہر تخلیق عالم امتحانی صورت پر دلالت کر رہی ہے۔ پھر نیکی اور بدی کے مختلف درجات ہیں۔ کوئی سب سے برا کوئی سب سے اچھا۔ ادنیٰ اور اعلیٰ کے درمیان غیر محدود مراتب ہیں۔ تمام عالم کی فطرت بتا رہی ہے کہ انسان کو سب سے بہتر اعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور صحیح ترین عقیدہ رکھنا چاہیئے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے عالم کی تخلیق بلا مادہ کے انسانی اعمال کو آزمانے کے لئے کی اور ظاہر ہے کہ جس موجد نے ایجاد بغیر مادہ کے اول مرتبہ کی وہ اعادہ بھی کر سکتا ہے، لیکن اگر کفار سے کہا جاتا ہے کہ تم کو دوبارہ مادی جسم کے ساتھ زندہ کیا جائے گا تو وہ اس کو جادو سے تعبیر کرتے اور سحر کی طرح بے حقیقت چیز جانتے ہیں اور منکر حشر کے لئے وعیدیں سن کر فوراً اپنی جہالت کی وجہ سے عذاب نازل نہیں ہوتا تو عدم نزول کی وجہ دریافت کرتے ہیں۔ حالانکہ وقت سے پہلے عذاب نہیں آسکتا ورنہ مقررہ وقت پر آچکنے کے بعد ٹل سکتا ہے۔ جب عذاب آجائے گا اس روز ان کو چاروں طرف سے استہزاء انگیزیوں کی سزا محیط ہو جائے گی۔

مقصودِ بیان خلاقیت اور قدرتِ کاملہ سے الوہیت پر استدلال۔ اس امر کی طرف لطیف ایماء کہ جس خدا نے زمین و آسمان کو بغیر مادہ کے پیدا کیا وہ سب کو فنا کرنے کے بعد انسان کا اعادہ بھی کر سکتا ہے۔ تخلیق انسانی کی اصل غرض کی صراحت اور فلسفۂ قیامت کی جانب دقیق ایماء۔ اس امر کی تصریح کہ خطاب قرآنی کے مقابلے میں کفار لاجواب ہو کر اس کو سحر سے تعبیر کرتے ہیں۔ تاخیر عذاب کی اصل وجہ کہ ہر کام کا ایک وقت معین ہے وغیرہ۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ○

اگر ہم اپنی طرف سے انسان کو نعمت کا مزہ چکھا کر پھر چھین لیتے ہیں تو بلاشبہ وہ ناامید و ناشکر ہو جاتا ہے

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ

اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد آرام کا مزہ چکھاتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ سختیاں مجھ سے دور ہو گئیں (اور اُس وقت) وہ یقیناً

لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ○ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ○

خوب اتراتا اور شیخی مارتا ہے ہاں جن لوگوں نے صبر کیا اور نیک کام کئے انہی کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم مخصوص ہے

تفسیر اس آیت کا مورد اگرچہ ولید بن مغیرہ یا عبداللہ بن امیہ مخزومی ہے، مگر حکم عام ہے کافر و مومن کا امتیازی اساسی فرق بیان فرمایا ہے اور سچے مومن و کافر کا نمایاں امتیاز ظاہر کر دیا ہے۔

toobaafoundation.com

حاصل ارشاد یہ ہے کہ دکھ سکھ راحت و تکلیف تو آنے جانے والی چیزیں ہیں۔ دنیا میں کوئی اچھا برا آدمی ایسا نہیں جس پر عیش و مصیبت کا تبادلہ نہ ہوتا ہو، مگر نقطۂ نظر ہر ایک کا جدا جدا ہے۔ کسی کی نظر سبب پر محدود ہے، کوئی اصل فاعل کو مسبب قرار دیتا ہے۔ بعض لوگ تو ایسے ہیں کہ ان پر اللہ کی طرف سے تھوڑی سی راحت آئی اور پھر کسی وجہ سے اس آسائش کا زوال ہو گیا تو ناامید ہو جاتے ہیں اور طرح طرح سے خدا کا مقابلہ کرتے اور قول و عمل سے کفر کا اظہار کرتے ہیں۔ چونکہ ان کی نظر صرف حال کو دیکھتی ہے۔ ماضی و مآل ان کو سجھائی نہیں دیتا اور راحت و عیش کو اپنا دائمی حق سمجھے ہوئے ہوتے ہیں اور دنیوی آسائش پر ایسے غش ہوتے ہیں کہ اس آسائش کے زوال کو چھیننا اور کھینچنا تصور کرتے ہیں، اس لئے موجودہ حالت کو دیکھ کر مآل سے بھی ناامید ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کی محیط کل قدرت کا عملی و قولی انکار کر کے کفر کے گڑھے میں گر پڑتے ہیں۔ اسی طرح تکلیف کے بعد اگر ان کو کچھ نعمت حاصل ہوتی ہے تو چونکہ ان کا منتہائے تصور صرف عالم حسی ہے، لذائذ روحانی اور عالم جاودانی سے غافل ہیں، اس لئے نعمت و راحت کے نشے میں ایسے بھول جاتے ہیں کہ گزشتہ زمانے کو بھول کر اور مستقبل کی طرف سے آنکھوں پر پردہ ڈال کر کہنے لگتے ہیں کہ اب ہمارا برا زمانہ گیا دوبارہ نہیں آئے گا۔ الغرض موجودہ عیش پر اترانے اور اکڑنے لگتے ہیں۔ یہ طبقہ کافروں کا ہے جن کی نظر صرف موجودہ حالت کو دیکھتی ہے، کارسازِ حقیقی تک نہیں پہنچتی۔ ہر موجودہ حالت کو وہ ناقابلِ زوال خیال کر لیتے ہیں، لیکن انھیں کے مقابلے میں بعض اشخاص ایسے بھی ہیں جن کا دائرۂ تعقل وسیع ہے، ان کے تصور کی نگاہ غیر محدود ہے۔ وہ ہر چیز کا فاعل حقیقی اللہ کو جانتے ہیں اور دنیا کے ہر دکھ سکھ کو قابلِ زوال یقین کرتے ہیں۔ نہ عیش میں پڑ کر اللہ کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں نہ دکھ میں مبتلا ہو کر مایوس ہو جاتے ہیں۔ ہر قسم کے دکھ سکھ اور عیش و راحت پر صبر کرتے ہیں اور کسی حالت میں نیکوکاری کو نہیں چھوڑتے۔ ان کی اعتقادی اور عملی زندگی کو راحت و رنج کا تبادلہ برباد نہیں کر سکتا۔ یہ گروہ اہلِ حق کا ہے جو مغفرتِ الٰہی اور اجرِ جزیل کا مستحق ہے۔

مقصود بیان کفر و اسلام کے امتیازی فرق کا بیان۔ انسان کی طبعی حالت کا اظہار۔ اس بات کی ضمنی صراحت کہ دنیا کا ہر دکھ سکھ زوال پذیر ہے کسی کو بقا حاصل نہیں، اس لئے مصیبت کے وقت راحت سے مایوس یا راحت و آرام کے وقت مصیبت سے بے خوف ہو کر غرہ ہو جانا نہ چاہیئے۔ ہر عیش و رنج کا فاعل اللہ کو سمجھنا چاہیئے۔ کسی حالت میں بھی نیکوکاری کو ترک نہ کرنا چاہیئے۔ مایوس ہو جانا، اترانا اور فخر کرنا کفر کی علامت ہے۔ رنج پر صبر رکھنا، نعمت پر شکر کرنا اور دنیا کے دکھ سکھ میں پھنس کر نیکوکاری کو ترک نہ کرنا اہلِ حق کی نشانی ہے وغیرہ۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ

تو کیا جو وحی تمہارے پاس آئی ہے اس کا کچھ حصہ چھوڑ بیٹھو گے اور تمہارا دل اس سے تنگ ہو جائے گا صرف اس وجہ سے کہ کافر کہتے ہیں

عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَاۤ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ وَّكِيْلٌ ؕ

کیوں اس پر کوئی خزانہ نہ اترا یا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ نہ آیا تم تو صرف ڈرانے والے ہو اور اللہ ہر چیز کا ذمہ دار ہے

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ

کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن نبی نے بنا لیا ہے کہہ دو کہ تم بھی اس طرح دس خود ساختہ سورتیں بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو بلا سکو

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ

بلا لو اگر تم سچے ہو، پس اگر وہ مددگار تمہارا کہنا نہ کریں تو جان لو کہ اللہ ہی کے حکم سے قرآن

toobaafoundation.com

أُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَأَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ فَهَلْ أَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ

نازل کیا گیا اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں تو کیا اب بھی تم مسلمان ہوتے ہو

تفسیر رسول پاکؐ ہمیشہ غیر اللہ کی پرستش سے منع فرماتے اور اللہ کے سوا دوسرے باطل معبودوں کی عبادت سے نہایت سختی کے ساتھ روکتے اور کافروں کے خود ساختہ بتوں کی تحقیر و توہین فرماتے تھے۔ اپنی تعلیم کو الہامی تعلیم اور اپنے قول کو خدائی قول ظاہر کرتے تھے اور اس کے ثبوت میں قرآن کی صداقت، حقانیت اور اعجازی بلاغت کو پیش کرتے تھے۔ عبداللہ بن اُمیہ مخزومی وغیرہ کفار کے دلوں پر چونکہ کفر کی مہریں لگ چکی تھیں اور ان کی چشم عقل پر جہالت کے موٹے موٹے پردے پڑے تھے، اس لئے وہ حضورؐ کے مقابلے میں بطور مناظرہ صرف رسالت و وحی کی توہین کے لئے کہا کرتے تھے کہ اگر تم اپنے قول و دعوے میں سچے ہو تو پھر اس قدر مفلس و معمولی آدمیوں کی طرح ضرورت مند کیوں ہو؟ کیوں غیب کا خزانہ تمہارے پاس نہیں آجاتا، تمہارے لئے پہاڑ کو سونے کا نہیں کر دیا جاتا کہ ہم کو بھی تمہاری رسالت کا یقین آجائے یا ایسی صورت ہو جائے کہ کوئی فرشتہ اتر کر تمہاری تصدیق کرے اور ہمارے سامنے تمہاری حقانیت کی شہادت دے۔ جب ان مطلوبہ دلائل سے کوئی بھی دلیل تمہارے پاس نہیں تو پھر تم کو کیا حق ہے کیا اپنی تعلیم کو سچی تعلیم اور اپنے قول و عمل کو ہدایت کہو اور ہمارے بتوں کی تحقیر کرو۔ پھر کم بخت جاہل ترین دعویٰ رسالت پر ہی بس نہ کرتے بلکہ رسول پاکؐ کو مفتری اور کلام الٰہی کو خود ساختہ کلام کہتے تھے۔ لہٰذا اسباب ایسے تھے کہ دھوکہ میں پھنس جانے والے انسان دھوکہ میں آسکتے تھے اور کوتاہ نظر دیکھنے والے امید کر سکتے تھے کہ اب تو رسول اللہؐ بتوں کو بھلا بُرا نہیں کہیں گے۔ اس کے علاوہ کفار کی تیرہ باطنی جب مذکورہ حالت تک پہنچ چکی تھی تو ان کو مزید پیام ہدایت پہنچانا بے سود تھا۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے بطور جواب محض اپنے رسولؐ کو تسلی دینے کے لئے آیات مذکورہ نازل فرمائیں۔

حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ کفار جو بطور استہزاء و تمسخر تم سے بار بار مہمل سوال کرتے ہیں اور بیہودہ سوالات کے جواب نہ ملنے پر بعض لوگوں کو یہ اُمید کرنے کا موقع ملتا ہے کہ اب تم وحی الٰہی کے کسی حصہ کی تبلیغ ترک کر دو گے یعنی ان کے بتوں کی تحقیر سے اعراض کرنے لگو گے تو یہ خیال و اُمید غلط ہے، تم کو تنگ دل نہ ہونا چاہئے۔ تم پیام الٰہی پہنچاتے جاؤ۔ تمہارا کام صرف اندیشہ ناک باتوں سے مطلع کرنا اور نتیجۂ بد کی خبر دینا ہے کامیابی اور تاثیر کے تم ذمہ دار نہیں ہو۔ رہا کفار کا تم کو مفتری کہنا تو اس کا جواب علی الاعلان یہ ہے کہ کفار بھی اپنے تمام مددگاروں اور باطل معبودوں کو ملا کر سب کی اعانت سے قرآن کی کچھ سورتیں بنا لائیں اور جب وہ ایسا نہیں کر سکتے تو ان کو یقین کر لینا چاہئے کہ قرآن کی وسعت دامنی کا احاطہ انسانی علم نہیں ہو سکتا۔ اس کا تعلق محض علم الٰہی سے ہے۔ اسی نے اپنے علم بے پایاں سے اس کو نازل فرمایا ہے اور وہی اعتقادی، عملی اور قولی توحید کا حکم دے رہا ہے۔

ضروری توضیح مفسر شراح نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں جن دس سورتوں کی مثل بنا کر لانے کا چیلنج دیا ہے وہ مندرجہ ذیل سورتیں ہیں:- بقرہ۔ آل عمران۔ نساء۔ مائدہ۔ انعام۔ اعراف۔ انفال۔ توبہ۔ یونس۔ ہود۔ لیکن بقول ابن کثیر اہل تحقیق کے نزدیک خصوصیت کی کوئی وجہ نہیں عمومی دعوت زیادہ مناسب ہے۔

ایک بات یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ اس جگہ دس سورتیں بنا لانے کا چیلنج دیا اور سورۂ بقرہ وغیرہ میں صرف ایک چھوٹی سورت پیش کرنے کی دعوت دی تھی۔ دونوں میں توافق کی صورت نزول میں تقدم و تاخر کے اعتبار سے ہے۔ سورۂ بقرہ مدنی ہے۔ اس کا نزول مؤخر ہے بسورۂ یونس اگرچہ مکی ہے، مگر سورۂ ہود سے مؤخر ہے۔ گویا ترتیب اس طرح سے ہوئی کہ پہلے سورۂ ہود میں دس سورتیں پیش کرنے کی دعوت دی پھر سورۂ یونس میں ایک سورت بنا کر لانے کا چیلنج دیا پھر مدینہ میں پہنچنے کے بعد سورۂ بقرہ نازل ہوئی تو اس میں بھی ایک ہی سورت بنانے کا حکم نازل ہوا (ہکذا قال الامام الرازی)

مقصود بیان - رسول پاکؐ کو تسلی اور کفار کی طرف سے رسالت و وحی کا جو مذاق اڑایا جاتا تھا اس سے تنگ دل نہ ہونے اور پیام

toobaafoundation.com

الٰہی کی تبلیغ سے باز نہ رہنے کا حکم۔ کفار کی تیرہ باطنی اور کور دماغی کی صراحت اور اس بات کی وضاحت کہ یہ لوگ مشاہدہ پرست واقع ہوئے ہیں۔ قرآنی صداقت، حقانیت اصول، طرز ادا، بلاغت معانی، فصاحت الفاظ وغیرہ اگرچہ اہل بصیرت کو اقرار حقانیت پر مجبور کرتی ہے۔ مگر یہ لوگ بہت زیادہ کوتاہ نظر ہیں۔ ان کو تو سچائی کی روشنی نظر نہیں آتی۔ آیت سے یہ بات بھی مستنبط ہوتی ہے کہ اگرچہ دعوت وتبلیغ کی ناکامی کا یقین ہو پھر بھی اپنا فرض ادا کرنا اور دعوت تبلیغ کرنا لازمی امر ہے وغیرہ۔

مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَالَهُمْ فِيهَا وَهُمْ فِيهَا

جو لوگ دنیوی زندگی اور اس کی رونق چاہتے ہیں ہم اُن کے اعمال کا بدلہ دنیا ہی میں پورا پورا دیدیتے ہیں اور وہ یہاں

لَا يُبْخَسُونَ ○ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ

نقصان میں نہیں رہتے ۔یہی لوگ ہیں کہ سوائے آگ کے اُن کے لئے آخرت میں کچھ نہ ہوگا اور دنیا میں جو

مَا صَنَعُوا فِيهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ○

کچھ انہوں نے کیا کیا یا ہوگا وہ ملیامیٹ ہوجائے گا اور جو کچھ وہ کرتے تھے نابود ہوگا۔

تفسیر انس بن مالک اور حسن بصری کے نزدیک اس آیت کا نزول یہود ونصاریٰ کے حق میں ہوا۔ مجاہد کے نزدیک ریاکاروں کے حق میں۔ بعض کے نزدیک منافقوں کے بارے میں آیت مذکورہ نازل ہوئی اور بقول مفسر سراج کے اکثر علماء کے نزدیک عام اہل کفر مراد ہیں۔ ابن عباسؓ نے فرمایا جس نے طلب دنیا کے لئے کوئی نیک کام کیا تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا میں ہی اس کا ثواب عطا فرما دیتا ہے، لیکن آخرت میں اس کو ثواب نہ ملے گا۔ ضحاک وغیرہ سے بھی یہی قول مروی ہے۔ آیت کو عموم پر محمول کرنا میرے نزدیک اولیٰ ہے کیونکہ عام طور پر کچھ سمجھ دار اہل کفر حجت پیش کیا کرتے تھے کہ اتباع قرآن اور اسلام کی کیا ضرورت ہے۔ مسافروں کو کھانا کھلانا، یتیموں کی پرورش کرنی، بھوکوں اور نادار کی خبر گیری کرنا، راستوں پر کنویں کھدوانے اور سایہ دار درخت لگانے بہت سے نیک کام ہم کرتے ہیں اور ان کا مقبول ہونا بھی آثار سے ثابت ہے۔ ہم ایسے کاموں کی وجہ سے دنیا میں خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ اولاد ومال میں برکت، امن وتندرستی نصیب ہوتی ہے۔ سو یہی بات کافی ہے۔ اس کا جواب آیت میں دیا گیا ہے۔ (کذا قال العلامۃ المحقق عبدالحق)

یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ آیت میں صرف ارادہ کا ذکر ہے لیکن محض ارادہ مقصود نہیں بلکہ اصل غرض عمل خیر بارادہ دنیا ہے۔ قرطبی نے اکثر علماء کی طرف منسوب کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ آیت مطلق ہے جس طرح آیات وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا الخ اور مَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا مطلق ہیں، لیکن ان سب کی تقیید سورۂ سبحان الذی کی اس آیت میں کر دی گئی ہے۔ مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيدُ الخ گویا ثواب دنیوی عطا کرنا بھی اللہ کی مشیت پر موقوف ہے۔ لازم نہیں اور آخرت میں تو بہرحال ایسے لوگوں کو کوئی اجر نہیں ملے گا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جو لوگ دنیا میں نیک کام کرتے ہیں، لیکن اس نیکی سے ان کا اصل مطمح نظر صرف زینت دنیا ہوتی ہے۔ چاہتے ہیں کہ نیک مشہور ہو جائیں، لوگ ان کی عزت کریں، چندہ دینے والوں کی فہرست میں سب سے پہلے ان کا نام ہو یا مال واولاد کی کثرت حاصل ہو یا کوئی دنیوی فائدہ حاصل ہو۔ اللہ چونکہ منصف ہے کسی کی نیکی ضائع نہیں فرماتا اس لئے فقط دنیا میں اس کی نیکی کا پورا پورا اجر عطا فرما دیتا ہے۔ شہرت، عزت، اولاد ومال کی کثرت سب کچھ حاصل ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ ان کا منتہا نظر آخرت نہیں ہوتی اور نہ آخرت کو وہ واقعی کوئی چیز جانتے ہیں اور

toobaafoundation.com

نہ ان کے اعمال آخرت کے لائق ہوتے ہیں، نہ ایمان و اخلاص کا کوئی شائبہ ان کی نیکی میں شامل ہوتا ہے۔ اس لئے اجر آخرت کا کوئی حصہ ان کو نہیں ملے گا۔ دنیا میں جو نیکی کرائی ہے وہ یہیں رہ جائے گی۔ آخرت میں کوئی چیز کام آنے کی نہیں وہ تو نرے بے نصیب ہوں گے۔

مقصود بیان اس اعلان سے مقصد طلب کی ترغیب ہے جو عمل نیکی کو مدار سعادت جانتا ہے۔ ایمان، اخلاص اور اسلام اس کے نزدیک کچھ بھی نہیں اور نہ آخرت پر اس کا یقین ہے، نہ اتباع نبی اس کے نزدیک لازم ہے۔ اس امر کی صراحت کہ محض حصول دنیا کو قرار دینا آخرت میں مفید نہ ہوگا۔ ہاں ایمان کے ساتھ اچھی چیز ہے۔ آخرت میں کوئی بدلہ نہ ملے گا تو دنیا میں عزت و جبروت کوئی ثواب سے کم؟ اللہ کسی کی حق تلفی نہیں کرتا۔ دوسرے مسلمانوں کو ریاکاری سے نفرت پیدا کرنا اور اس امر کی تلقین کہ ہر عمل کی اصل غرض سعادت آخرت کو قرار دینا چاہیے۔ اپنے ارادوں اور نیتوں کو دنیوی مفاد کے حصول پر محدود نہ رکھو وغیرہ۔

أَفَمَن كَانَ عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّهِ وَيَتْلُوهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِن قَبْلِهِ كِتَابُ مُوسَىٰ

پس کیا جو شخص اپنے پروردگار کی طرف سے روشن دلیل پر ہو اور اس کے ساتھ خدا کی طرف سے گواہ بھی ہو وہ گمراہ کی طرح ہو سکتا ہے، اور ان سے

إِمَامًا وَرَحْمَةً ۚ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِهِ مِنَ الْأَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهُ

پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت تھی یہی لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور سب فرقوں میں سے جو کوئی اس کا منکر ہو تو دوزخ اس کا وعدہ گاہ ہے

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۚ إِنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُونَ

(اے مخاطب) اس قرآن کی طرف سے تو شبہ میں نہ ہو بلاشبہ یہ تیرے رب کی طرف سے برحق ہے لیکن اکثر لوگ نہیں مانتے۔

تفسیر اس آیت کا مصداق بعض مفسرین نے صرف حضورؐ کی ذات گرامی کو قرار دیا ہے۔ بعض نے مومنین اہل کتاب کی طرف اشارہ ظاہر کیا ہے، لیکن اکثر کے نزدیک حکم میں عموم ہے۔ ہر مومن مخلص اس کا مصداق ہے۔ آیت میں ان کا بصورت استفہام بیان کیا ہے۔ غرض اہل ایمان اور اہل کفر کا موازنہ کرکے اہل ایمان کو نجات کا حامل قرار دیا ہے کیونکہ ان کے ایمان کے ثبوت کے لئے تین براہین موجود ہیں بینہ، شاہد من اللہ اور توریت۔ بینہ سے مراد کیا ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ قابل ترجیح قول یہ ہے کہ اس سے عقل اور نور فطرت مراد ہے۔ وہ دل کی آنکھ جو حق و باطل میں تمیز کرتی اور قرآن کے احکام و ضوابط کو حق کے موافق بیان کرتی ہے۔ کلام الٰہیہ کا کوئی جزئیہ اور کوئی عقیدہ اس کو خلاف عقل و خلاف واقعہ نظر نہیں آتا۔ یہی نور فطرت اقرار توحید و رسالت اور صداقت اسلام و ایمان کی واضح دلیل ہے۔ ہاں جن لوگوں نے اس دل کی آنکھ پر مادیت پرستی اور شرک و کثافت کے پردے ڈال دیئے ان کو کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ قرآن پاک میں اسی بینہ کو دوسرے مقام پر فطرۃ اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ صحیحین میں بروایت ابوہریرہؓ مروی ہے کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَۃِ الحدیث مسلم میں بروایت عیاض بن حمارؓ منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو راستی کی طرف مائل پیدا کیا لیکن پھر شیاطین ان کے پاس آئے اور ان کے دین سے ان کو بہکا دیا۔ سنن و مسانید میں بکثرت مروی ہے کہ ہر بچہ اسی ملت پر پیدا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کی زبان کھلے اور وہ اپنا عقیدہ بیان کرے۔

شَاھِدٌ مِّنْہُ من جانب اللہ۔ ابن عباسؓ، مجاہد، عکرمہ، ابوالعالیہ، ضحاک، ابراہیم نخعی اور سدی وغیرہم نے کہا کہ شاہد سے مراد جبرئیلؑ ہیں۔ حضرت علیؓ اور حسن بصری کی روایت ہے کہ حضورؐ کی ذات گرامی مراد ہے۔ دونوں قولوں کے معنی قریب قریب ہیں۔ فرض رسالت دونوں نے ادا کیا۔ من جانب اللہ دونوں نے شہادت دی۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضورؐ تک پیام الٰہی پہنچایا اور حضورؐ نے امت تک۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا قریش میں سے ہر ایک کے حق میں قرآن کا کوئی حصہ ضرور نازل ہوا ہے۔ کسی نے عرض کیا آپ کے حق میں کیا نازل ہوا؟ فرمایا کیا سورۂ ہود میں تو آیت

toobaafoundation.com

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَيِّنَةٍ الخ نہیں پڑھتا۔ پس حضورِ اقدسؐ بینہ ہیں اور یہی شاہد ہوں۔ اخرجہ ابونعیم و ابن ابی حاتم و ابن عساکر کی روایت میں حضرت علیؓ کا شاہد ہونا مرفوع بھی وارد ہے، لیکن ابن کثیر نے ان دونوں روایتوں کی تضعیف کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا کہنے والا کوئی ثابت نہیں۔ میرے نزدیک بینہ سے نورِ فطرت و عقل و شاہد سے قرآن و وحی مراد ہے اور یہی قول اہلِ تحقیق نے قابلِ ترجیح قرار دیا ہے۔

كِتٰبُ مُوْسٰى یعنی تورات چونکہ تورات نے حضورِ اقدسؐ کی رسالتِ عامہ اور ختمِ نبوت کی شہادت دی ہے اور بقول زجاج کے حضورؐ کا حلیہ اور شمائل بھی اب تک اس میں مفصل مذکور ہیں۔ پھر اصولِ توریت و قرآن میں کوئی فرق بھی نہیں۔ حضور والاؐ کی ذات اور قرآن و اسلام کے متعلق اس میں پیشین گوئیاں بھی موجود ہیں، اس لئے حقانیتِ قرآن کی تصدیق اس سے بدرجۂ اتم ہوتی ہے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ دو فریق ہیں ایک تو وہ جس کے پاس اپنے عقیدہ اور عمل کے لئے تین دلیلیں موجود ہیں۔ اس کا عقیدہ اور عمل فطرت کے بھی مطابق ہے اور قرآن کے بھی اور توریت کے بھی عقل و نقل دونوں اس کے واسطے شاہد عدل ہیں۔ دوسرا وہ جس کے پاس کوئی دلیل نہیں ظاہر ہے کہ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ پہلا حق و صداقت کا حامل ہے۔ دوسرا گمراہی و تباہی کے غار میں سرنگوں۔ پہلا گروہ اہلِ ایمان کا ہے اور دوسرا گروہ کفار کا ہے۔ پہلا قرآن و رسول کو سچا جانتا ہے اور دوسرا غلط و دروغ۔ اس سے آگے ارشاد ہوتا ہے کہ دنیا کا کوئی گروہ اور کسی مذہب والا ہو اگر وہ رسول اللہ کی تصدیق نہ کرے گا بلکہ انکار کرے گا تو اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ صحیح مسلم میں بروایت ابوموسیٰ اشعری مرفوع حدیث وارد ہے کہ اس امت کا کوئی شخص ہو یہودی ہو یا عیسائی۔ اگر اس کو میری رسالت کی اطلاع مل جائے اور وہ ایمان نہ لائے تو بیشک وہ دوزخی ہوگا۔ سعید بن جبیر فرماتے ہیں میں جب کوئی حدیث سنتا تو اس کا مصداق قرآن پاک میں ضرور پاتا۔ چنانچہ جب مجھے ابوموسیٰ اشعری کی روایت کردہ مذکورہ حدیث پہنچی تو میں نے قرآن میں اس کا مصداق تلاش کیا۔ تلاش کے بعد مجھے مذکورہ آیت سے حدیث مذکور کی تصدیق ہوگئی۔ اس سے آگے قرآن کریم کی حقانیت میں شک کرنے کی ممانعت اور اہلِ باطل کے گروہ کی کثرت کا اظہار ہے۔ قرآن کی حقانیت میں رسول اللہؐ کو تو کوئی شک ہو ہی نہیں سکتا تھا، اس لئے اگرچہ خطاب بظاہر رسولِ پاکؐ کو ہے، مگر روئے سخن امت کی طرف ہے۔

مقصود بیان

اسلام کی حقانیت و صداقت کی مختلف دلائل کا بیان۔ اس بات کا ضمنی اظہار کہ قواعدِ اسلام اور ضوابطِ قرآن اور عقائدِ اسلام خواہ ان کا تعلق مغیبات سے ہو یا قیامت و دوزخ و جنت سے بہرحال اسلام کا کوئی حصہ خلافِ عقل نہیں ہے۔ اس امر کی صراحت کہ بغیر تصدیق رسولؐ کے نجات ناممکن ہے۔ خواہ بجائے خود کوئی توحید خالص کا دعویٰ کرے وغیرہ۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ أُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر دروغ بندی کرے اُن لوگوں کو اُن کے رب کے حضور میں پیش کیا جائے گا اور گواہ

الْأَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ أَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ

کہیں گے کہ انہی لوگوں نے اپنے رب پر دروغ بندی کی تھی سُن لو خدا کی لعنت ہے اُن ظالموں پر جو

يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ أُولٰٓئِكَ لَمْ

راہِ خدا سے روکتے ہیں اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہیں اور وہی آخرت کے منکر ہیں یہ لوگ زمین میں

يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ أَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ

(امرِ الٰہی کو) کمزور نہیں کر سکتے اور نہ اُن کے لئے اللہ کے سوا کوئی حمایتی ہے اُن کو سزا دوگنی دی

toobaafoundation.com

الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ ۝ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا

جائے گی یہ نہ سن سکتے تھے نہ دیکھ سکتے تھے ۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنا نقصان خود کیا

أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ۝ لَا جَرَمَ أَنَّهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمُ الْأَخْسَرُونَ ۝

اور ان کی گزشتہ افتراء بندی سے غائب ہوگئی لامحالہ آخرت میں یہی لوگ زیادہ نقصان اٹھانے والے ہوں گے

تفسیر

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے کافروں کی مذمتیں بیان فرمائیں جن میں سے بعض کا تعلق دنیوی حیات سے ہے اور بعض کا آخرت سے اور مقدم الذکر مؤخر الذکر کی علت ہے ہم تفصیل حاضر کرتے ہیں ۔

(۱) کفار مکہ جھوٹے بھی تھے اور افتراء پرداز بھی ۔ ان کا دروغ قولی بھی تھا اور عملی بھی اور اعتقادی بھی ۔ بتوں کو اپنا شفیع سمجھتے اور اسی کی بناپر ان کی پرستش کرتے ۔ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ۔ قرآن کو کلام بشر کہتے ۔ اپنے مذہب کی بہت باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتے اور دعویٰ کرتے کہ ان باتوں کو کرنے کا ہم کو اللہ نے حکم دیا ہے ۔ قیامت کے منکر تھے ۔ حشر نشر عذاب ثواب وغیرہ کو ڈھکوسلا خیال کرتے تھے ۔ صفات الوہیت میں اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک کرتے تھے ۔ لہٰذا ارشاد ہوا کہ ایسے لوگوں سے زیادہ بے جا حرکت کرنے والا حق ناشناس اور تباہ حال کون ہو سکتا ہے جو عقائد، اعمال اور اقوال میں افتراء پرداز اور کافر ہوں ۔

(۲) قیامت کے دن رسوائی اور ذلت کے ساتھ ایسے لوگوں کو بارگاہِ الٰہی میں پیش کیا جائے گا کیونکہ وہی ان کا رب ہے ۔ اسی نے پیدا کیا اور تدریجی ترقی دے کر حد کمال تک پہنچایا لہٰذا محاسبہ کا اسی کو حق ہے ۔

(۳) ایسے ظالموں کی افتراء پردازی اور دروغ تراشی کی شہادت بڑے بڑے گواہ دیں گے ، وہ کون گواہ ہوں گے ؟ مجاہد کے نزدیک نیکی اور بدی کو لکھنے والے فرشتے مراد ہیں ۔ مقاتل کے نزدیک عام انسان بغیر تعین و تخصیص کے ، ابن عباسؓ کے نزدیک انبیاءؑ و مرسلینؑ ۔ قتادہ کے قول کے موافق عام خلائق خواہ انسان ہوں یا دوسری مخلوق ۔ گویا علی الاعلان شہادت دی جائے گی ۔ میرے نزدیک اگر مجرم کے خود ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء مراد لئے جائیں تو احادیث و قرآن کے مضامین کے موافق ہوگا ۔

(۴) جب شہادت کی تکمیل ہو جائے گی اور جرم ثابت ہو جائے گا تو بارگاہِ الٰہی سے ندا ہوگی ان ظالموں کو ہماری رحمت سے دوری ہو یہ کسی طرح رحمتِ الٰہیہ سے مستفید ہونے کے سزاوار نہیں ۔ لہٰذا ان پر پھٹکار رہے اور دھتکار کر ان کو رحمت سے دور کردو ۔ ایسا کیوں ہوگا ؟ اس لئے کہ

(۵) یہ دوسروں کو راہِ حق سے روکتے تھے ۔ رہنمائی بجائے خود رہی سیدھا راستہ چلنے والوں کو بہکاتے تھے جس طرح آج کل پادری، آریہ قادیانی اور اسلام کے بہت سے علماء، مشایخ اور سرکار پرست کا سہ لیس کیا کرتے ہیں ۔

(۶) پھر دوسروں کو گمراہ بنانے کے ساتھ خود بھی کج رو تھے ۔ کج روی ہی کو پسند کرتے تھے اور راہ راست کو چھوڑ کر کج راہی کی تلاش میں رہتے تھے ۔

(۷) یہ دنیوی زندگانی کو ہی اصل حیات سمجھتے تھے ۔ آخرت کے منکر تھے یعنی وجود قیامت کا ہی ان کو انکار تھا ۔ جنت، دوزخ، حشر نشر، حساب کتاب اور اجر و عتاب تو درکنار رہے ۔

(۸) دنیا میں اگرچہ اپنی قوت ، شوکت ، عزت ، حکومت ، جتھے اور کثرت مال و اولاد پر مغرور تھا ، مگر اللہ کی گرفت سے یہ کسی طرح باہر نہیں ہو سکتے تھے ۔ اگر اللہ ان کی گرفت کرتا تو ان کا کوئی حامی ان کو بچا نہیں سکتا تھا ۔ ان کے فرضی معبود بالکل عاجز تھے ۔ کسی میں ان کی حمایت کرنے کی قوت نہ تھی ۔

toobaafoundation.com

(۹) ان کے گوش نیوش نہ تھے۔ صداقت وحقانیت کے سننے سے بہرے تھے۔ نہ حق کی بات ان کو سوجھائی دیتی تھی۔ گویا اندھے بھی تھے اور بہرے بھی۔

(۱۰) لامحالہ ان پہ دوچند عذاب ہوگا ایک تو گمراہ ہونے کا دوسرا گمراہ کرنے کا۔

(۱۱) چونکہ انھوں نے دنیا میں ایسے اعمال واقوال کا ارتکاب کیا اور ایسی سیاہ راہ زندگی پر گامزن ہوئے جو خلاف حق تھی۔ نقصان کو نفع سمجھ کر اختیار کیا، زیاں کو سودا اور ہلاکت کو عافیت سمجھا۔ لہٰذا آخرت میں یہ برباد، ذلیل اور ہلاک ہوں گے اور ان کی جتنی افتراء پردازیاں تھیں سب بھول جائیں گے۔

مقصود بیان

اللہ پر دروغ تراشی اور افتراء کرنا سب سے زیادہ بےحیا حرکت ہے۔ جو حکم اللہ نے نہیں دیا اس کو اللہ کی طرف منسوب کرنا سخت ترین ظلم ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو احکام شریعت کے بیان کرنے میں انتہائی احتیاط کرنی چاہیے۔ قیامت کے دن فرشتے یا انبیاؑ ومرسلینؑ یا علماء یا ہم عام مخلوق یا خود انسانی اعضاء انسان کی بدکرداری کی شہادت دیں گے۔ کوئی کافر ومشرک رحم الٰہی سے متمتع نہیں ہوسکتا۔ کج روی اور اغواء، چونکہ علیحدہ علیحدہ مستقل جرم ہیں لہٰذا ان میں سے ہر ایک کی مستقل سزا دی جائے گی۔ گویا اشارہ اس طرف ہے کہ گمراہی اگرچہ بذات خود بری چیز ہے، مگر گمراہ گری مزید تباہی پیدا کرنے والی ہے۔ اللہ کی گرفت سے کوئی باہر نہیں ہوسکتا خواہ کتنا ہی عظیم الشان پرشکوہ بادشاہ ہو یا کثیر المال تاجر یا فولادی بازو رکھنے والا ہیل تن پہلوان۔

قیامت کے دن جب مصائب کا سامنا ہوگا تو انسان اپنے تمام دماغ زائیدہ باطل خیالات کو بھول جائے گا اُس وقت کوئی کچھ کام نہ آئے گا نہ کسی کی سفارش کام آئے گی وغیرہ۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَأَخْبَتُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ

بےشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور اپنے رب کے سامنے عاجزی کی تو وہی جنتی

الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۝ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمَىٰ وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ

ہیں جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے ان دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا ہو اور دوسرا

وَالسَّمِيعِ ۚ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ۝ ع ۲/۲

بینا اور شنوا کیا یہ دونوں حالت میں برابر ہوسکتے ہیں تم غور نہیں کرتے

تفسیر

اوپر کی آیات میں کفار کے افعال شنیعہ اور نتائج بد کا ذکر تھا۔ ان آیات کے ابتدائی حصہ میں اہل ایمان کی مدحیہ حالت کا بیان اور نیک نتیجہ کا اظہار کیا ہے اور مؤخر الذکر حصہ میں کفار ومومنین کی حالت تمثیلی انداز میں بیان کی ہے تاکہ ایک ذہنی چیز محسوس کی شکل میں آجائے اور عقلی مفہوم کا حسی نقشہ کھینچ کر سامعین کے دماغوں میں ثبت ہو جائے۔

حصہ اول کا حاصل یہ ہے کہ دوامی طور پر جنت کے مالک وہی لوگ ہیں جن میں یہ تین صفات موجود ہوں:۔ (۱) وہ مومن ہوں، اللہ کی توحید، تمام انبیاءؑ کی رسالت اور قیامت کو مع اس کی تفصیلات کے مانتے ہوں۔ فرائض دینیہ کے منکر نہ ہوں۔ قضا وقدر اور فرشتوں کے وجود کے قائل ہوں وغیرہ۔

(۲) نیکوکار ہوں۔ وہ امور جن کو کرنے سے عقل وشرع روکتی ہے اور جن کا ارتکاب دنیا میں بجائے صلاح کے فساد پیدا کرتا ہے ایسے امور کو

toobaafoundation.com

ترک کرتے ہوں اور جن امور سے عالم کی اصلاح وخیر وابستہ ہے اس کو اختیار کرتے ہوں۔ (۳) اللہ سے ڈرتے ہوں متقی ہوں، اُسی کے سامنے خشوع خضوع کرتے ہوں، عبادت اور نیکی ریاکاری سے نہیں بلکہ خدا کے ڈر سے کرتے ہوں۔ خلاصہ یہ کہ جو لوگ قولاً، عملاً اور اعتقاداً نیکوکار اور حق پرست ہوں وہی اہل نجات اور حاملِ سعادت ہیں۔ انھیں کو دوامی راحت نصیب ہوگی۔

مؤخرالذکر ٹکڑے کا حاصل یہ ہے کہ کافر اندھے اور بہرے کی طرح ہیں جن کو نہ کچھ سنائی دیتا ہے نہ وہ کچھ دیکھ سکتے ہیں۔ ان کو نہیں معلوم کہ دنیا کے اندر صوتی کیفیت اور معنی وشکل خوبی کیا ہوتی ہے۔ اچھی بری آواز، خوبصورتی، بدصورتی، خوش رنگی اور بدرنگی دیدہ زیبی اور باصرہ سوزی کیا چیز ہوتی ہے۔ یہی حال کافر کا ہے اس کو نہیں معلوم کہ حق وناحق، صادق وکاذب کیا چیزیں ہیں۔ اس کے کان حق کی شنائی سے بہرے ہیں اور اس کی آنکھیں صداقت کو دیکھنے سے اندھی ہیں۔ رہا مسلمان تو وہ آنکھوں والا ہے اس کے گوش ہوش کھلے ہوئے ہیں۔ وہ ہر چیز کو دیکھتا اور سنتا ہے، حق ناحق کو پہچانتا ہے اور صادق وکاذب میں تمیز کرتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ کافر ومومن برابر نہیں ہو سکتے۔ دونوں کے شرف ومرتبہ میں بڑا فرق ہے۔ بینا ونابینا سامع وغیر سامع میں مساوات نہیں ہو سکتی۔

مقصدِ بیان اہلِ سعادت کے صفات ثلثہ کا بیان اور اس امر کی طرف لطیف ایما کہ مسلمان کے لئے عمل صالح کے ساتھ ایمان اور فروتنی وخشوع بھی لازم ہے۔ مخصوص پیرایۂ بیان میں کفار ومومنین کی تصویر کشی اور بلیغ طرز ادا میں تبلیغ اسلامی وغیرہ۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۙ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا

ہم نے نوح کو ان کی قوم کے پاس (یہ کہہ کر) بھیجا کہ میں تم کو صاف صاف ڈرانے والا ہوں تم اللہ کے سوا کسی کی پرستش

اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۝ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ

نہ کرو مجھے تمہارے متعلق تکلیف دہ دن کے عذاب کا اندیشہ ہے تو نوح کی قوم میں سے کافر سردار بولے

قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا

ہم تو تم کو اپنی طرح آدمی جانتے ہیں اور ہمارے خیال میں تو تمہارے پیرو بجز ان لوگوں کے جو ہم میں رذیل ہیں

بَادِيَ الرَّاْيِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۝

اور کوئی ہوا نہیں اور وہ بھی سرسری نظر سے اور ہمیں اپنے اوپر تم لوگوں کی کوئی بڑائی بھی نظر نہیں آتی بلکہ ہم تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں

تفسیر مذکورۂ بالا آیات میں ترغیب، ترہیب، کفار واہلِ ایمان کی تفصیل اور اسلام کی تبلیغ بلیغ ترین طرز ادا کے ساتھ کی گئی تھی۔ چونکہ تبلیغ ودعوت کی تکمیل کے لئے ضروری ہے کہ نافرمانوں اور سرکشوں کا نتیجہ بد ظاہر کیا جائے تاکہ ان کے عبرتناک حالات پڑھنے کے بعد حاضرین ومخاطبین کو نصیحت ہو اور وہ سرتابی چھوڑ دیں۔ اسی مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے قرآن پاک میں مختلف مقامات پر مختلف قصص بیان فرمائے ہیں بلکہ بعض قصوں کو تو چار چار یا پانچ پانچ مقام پر قدرے تطویل، اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے۔ کہیں مفصل کہیں مختصر لیکن مقتضائے حال کا لحاظ رکھا ہے۔ ہر موقعہ پر اتنا ہی قصہ بیان کیا ہے جتنی ضرورت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود تکرار واعادہ کے جدید لذت اور نیا لطف حاصل ہوتا ہے۔ حسب معمول قرآنی یہاں بھی چند قصوں کو مختصر ذکر کیا ہے اور ابتدا حضرت نوح کے قصہ سے کی ہے۔ کیونکہ نوح آدم ثانی تھے۔ آپ سے دوبارہ نسلِ انسانی پھیلی۔ اس کے علاوہ آپ کا قصہ بھی اپنی نوعیت اور عبرت انگیزی میں یکتا۔

حضرت نوح کا قصہ توریت میں بھی مفصل آیا ہے، مگر بعض مقامات پر بیان قرآن سے کچھ مختلف ہے۔ تفسیر آیات کے وقت ہم جابجا اختلاف اور اس کے مواقع کا تذکرہ کریں گے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جب حضرت نوح نے قوم میں شرک اور بداعمالی کو پھیلتے دیکھا تو شروع میں توحیدوں کی طرف راغب کیا اور اہل توحید کی نجات آخرت اور دوامی سعادت کا ذکر کیا۔ جب کسی طرح کی ترغیب مفید نہ ہوئی تو عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ کیونکہ انسان فطرتاً حصول منفعت سے زیادہ دفع مضرت کا خواستگار رہتا ہے۔ خوف کا مرتبہ طمع سے بڑھ کر ہے۔ طمع اختیاری ہوتی ہے اور خوف مجبور کن۔ غرض بشیر و ترغیب جب بے سود ثابت ہوئی تو مجبوراً انذار و ترہیب کی طرف آپ مائل ہوئے اور انذار بھی دو عذابوں سے۔ عذاب دنیا یعنی طوفان سے اور عذاب آخرت یعنی دوزخ سے۔ مگر قوم نے ایک نہ سنی۔ سرچشمۂ کفر ہمیشہ غرور ہوتا ہے۔ غرور ہی انکار کا اصل مرکز ہے اور غرور کا سبب دولت و مال ہے، اس لئے غریبوں نے تو کسی قدر آپ کی فہمائش کا اثر لیا مگر دولت مند طبقہ پر کوئی نصیحت کارگر نہ ہوئی۔ بجائے فرماں پذیری کے سرداران قوم اور مال دار لوگ کھلم کھلا انکار کر گئے۔ اور نہ صرف انکار بلکہ تین شبہے بھی حضرت نوح کی رسالت پر ظاہر کئے۔ اول تو یہ کہ تم فرشتہ نہیں، کوئی اور غیبی مخلوق نہیں ہماری طرح انسان ہو۔ کوئی پس پردہ طاقت تمہارے ساتھ نہیں پھر کیا وجہ کہ تم رسالت کا دعویٰ کرتے ہو۔ دوسرے یہ کہ تمہاری پیروی کرنے والے اور تمہارا ساتھ دینے والے صرف نچلے طبقہ کے لوگ ہیں۔ کوئی باوجاہت بھلا آدمی تمہارے گروہ میں داخل نہیں پھر ہم تمہارا ساتھ دے کر اور تمہارا قول مان کر کیوں ذلیل ہوں۔ اس کے علاوہ نچلے طبقہ نے بھی بغیر سوچے سمجھے اور تامل کئے بغیر تمہاری پیروی اختیار کی ہے۔ ان میں اول تو بصیرت ہی اتنی نہیں کہ اچھے برے اور صحیح غلط میں تمیز کر سکیں اور جو کچھ سمجھ ہے بھی تو اس سے انھوں نے کام نہیں لیا۔ تیسرے یہ کہ تم کو اور تمہاری جماعت کو ہم پر کیا فضیلت حاصل ہے۔ تم ہماری طرح دولتمند نہیں۔ تمہارے اندر ہماری ایسی تہذیب نہیں۔ ہمارے ایسے آداب معاشرت نہیں۔ پھر کس طرح اعلیٰ ادنیٰ کی پیروی کر سکتا ہے۔

مقصود بیان عام طور پر جاہل طبقہ معیار فضیلت دولت مندی کو قرار دیتا ہے۔ انکار و کفر کی اصل جڑ یہی دولت مندی ہے۔ کوتاہ فہم لوگ ہمیشہ سے یہ سمجھتے چلے آئے ہیں کہ مقتدا اور پیشوا کو کسی اور غیبی مخلوق کا فرد ہونا چاہیئے انسان نہ ہونا چاہیئے اور اس کے ساتھ خفیہ طاقت کا ہونا بھی ضروری ہے پھر اس کا مال دار ہونا بھی لازم ہے۔ غریب لوگ کی اذان کو بھی غلط کہا جاتا ہے۔ آیات میں اس طرف اشارہ ہے کہ حق کی طرف میلان کرنے والے زیادہ تر غریب ہی لوگ ہوتے ہیں اور معیار فضیلت دولت نہیں بلکہ حق پرستی ہے۔

حضرت نوح نے کفار کے تینوں شبہات کا ازالہ انتہائی حسن کلام کے ساتھ کیا اور فرمایا:۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ

نوحؑ نے کہا اے میری قوم دیکھو تو سہی اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہوں اور اس نے اپنی طرف سے مجھ کو رحمت عطا کر دی اور

عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ○ وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ

تم کو وہ نہ سوجھی تو کیا اس کو ہم تمہارے سر منڈھ دیں حالانکہ تم اس سے بیزار ہو اے میری قوم میں اس پر تم سے مال کا بھی تو خواستگار نہیں ہوں میرا

اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ

اجر تو اللہ ہی کے ذمہ ہے اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کو نکال بھی نہیں سکتا۔ بلاشبہ وہ اپنے رب سے ملنے والے ہیں مگر بات یہ ہے کہ میرے

toobaafoundation.com

قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ۝ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا

خیال میں تم نادان قوم ہو ؟ اے میری قوم اگر میں ان کو نکال دوں تو اللہ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا کیا تم

تَذَكَّرُوْنَ ۝ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ

غور نہیں کرتے میں تم سے یہ تو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں نہ

لَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ

میں اپنے آپ کو فرشتہ کہتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ جو لوگ تمہاری آنکھوں میں حقیر ہیں ان کو اللہ بھلائی عطا نہ

خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّىْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

کرے گا جو کچھ ان کے دلوں میں ہے اللہ ہی اس کو خوب جانتا ہے اگر میں ایسا کہوں تو میں ظالم ہوں

تفسیر

(۱) تم کہتے ہو کہ میں تمہاری طرح انسان ہوں پھر تم کو خدا نے کیوں رسول بنایا ؟ تو بے شک یہ صحیح ہے کہ میں انسان ہوں مجھے نبوت کا کوئی ذاتی استحقاق نہیں، لیکن یہ اللہ کی عنایت اور رحمت ہے وہ جسے چاہے عطا فرمائے، اس نے مجھے راہ راست دکھائی۔ معجزات اور نبوت عطا کی تم کو کھلا ہوا سیدھا راستہ اور معجزات بھی نہ سوجھیں تو میرا اس میں کیا قصور۔ میں زبردستی حقانیت و راستی کو تمہارے سر تو ڈال نہیں سکتا۔ رہی یہ بات کہ شاید تم خیال کرو کہ نوح نبوت و ہدایت کا دعویٰ کر کے ہماری دولت چھین کر مال دار بننا چاہتا ہے تو یاد رکھو میں تم سے بالکل مال کا خواستگار نہیں ہوں، تم سے کسی قسم کا معاوضہ نہیں چاہتا اللہ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں اسی سے اجر کا طالب ہوں۔

(۲) تم کہتے ہو کہ غریب و کمزور طبقہ نے میرا ساتھ دیا اور وہی میرے ساتھ ہے اور تم ان سے اختلاط گوارا نہیں کرتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب یہ لوگ موفق ہو گئے، میری رسالت کا انھوں نے اقرار کر لیا اور اپنے پچھلے عقائد چھوڑ دیئے اور میرے گروہ میں داخل ہو گئے اور یہ یقینی بات ہے کہ ان کو بھی ایک روز خدا کے سامنے جانا ہے، ان کے لئے بھی عذاب و ثواب اور نجات و ہلاکت مقرر ہے تو پھر ان کو میں کس طرح اپنے پاس سے نکال سکتا ہوں۔ یہ تمہاری نادانی ہے کہ تم ان کو انسانیت سے خارج سمجھتے ہو۔ یہ بھی انسان ہیں اور انسانوں کی طرح مکلف ہیں۔ اگر میں ان کو اپنے پاس سے علیحدہ کر دوں گا تو غضب الٰہی نازل ہوگا اور اللہ کی ناراضگی سے پھر مجھے کون بچائے گا۔ تم ان کو ذلیل جانتے ہو اور تمہاری آنکھیں ان کو رذیل دیکھتی ہیں تو یہ تمہاری غلطی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ان کو کبھی دنیا و آخرت میں کوئی خیر عطا نہیں کرے گا۔ مجھے کیا معلوم ان کے دلوں کی کیا حالت ہے ؟ ان کے دلوں میں ایمان ہے یا نہیں۔ بظاہر تو یہ مومن ہیں اور مومن ہونا ان کے استحقاق خیر کی دلیل ہے پھر تمہاری طرح میں ان کو کس طرح رذیل سمجھ کر اپنے پاس سے دور کر سکتا ہوں۔

(۳) رہی میری فضیلت تو ظاہر ہے کہ مجھے نہ تو فرشتہ ہونے کا دعویٰ ہے نہ غیب دانی کا نہ میں مدعی ہوں کہ میرے پاس اللہ کے غیبی خزانے موجود ہیں یعنی تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ نبی کو فرشتہ یا غیب داں ہونا چاہیئے اور نہ یہ ضروری ہے کہ رسول کے پاس دولت کے انبار لگے ہوں اور وہ مالدار طبقہ میں پیدا ہو۔

مقصود بیان کھلی ہوئی حقانیت بھی کور بصیرت اشخاص کو نہیں سوجھتی۔ ہدایت و ضلالت اللہ کا کام ہے۔ انسان کا خود اس معاملہ میں ارادہ ہونا ضروری ہے۔ نبی کا کام نہیں کہ زبردستی کسی کو راہ راست پر کھینچ لائے۔ نبوت وہبی چیز ہے اختیاری

toobaafoundation.com

نہیں۔ جاہلوں کے جواب میں حلم اور بردباری سے کام لینا اطلاق نبی ہے۔ نبی کسی مال و حکومت کا خواستگار نہیں ہوتا۔ غریب طبقہ اگر مومن ہوگیا ہو تو اس مال دار طبقہ سے بہتر ہے کہ جو کافر ہو۔ مومن غریب ہی انبیاء کی صحبت کا زیادہ مستحق ہے۔ دولت و افلاس کو معیار بلندی و پستی قرار دینا نادانی ہے۔ نبی نہ فرشتہ ہے نہ غیب داں نہ خزائن قدرت کا مالک۔ معیار سعادت ایمان ہے جو دلوں کے اندر ہوتا ہے اور دلوں کی حالت اللہ ہی خوب جانتا ہے وغیرہ۔

قَالُوا يٰنُوحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَأَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ

قوم والے بولے نوح تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑا کیا اگر تم سچے ہو تو جس عذاب کی دھمکی دے رہے ہو

الصّٰدِقِينَ ۝ قَالَ إِنَّمَا يَأْتِيكُمْ بِهِ اللّٰهُ إِنْ شَاءَ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝ وَ

اُس کو لے آؤ نوح نے کہا اگر اللہ چاہے گا تو اس کو لے آئے گا اور تمہارا قابو نہیں چلتا اگر

لَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِي إِنْ أَرَدْتُّ أَنْ أَنْصَحَ لَكُمْ إِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيدُ أَنْ

اللہ تم کو بے راہ چلانا چاہے تو میں کتنی بھی تم کو نصیحت کرنا چاہوں مگر بے سود

يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ تف وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ۝

ہوگی وہی تمہارا رب ہے اور اُسی کے پاس تم کو لوٹ کر جانا ہے

تفسیر آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ جب کفار حضرت نوحؑ کے پُرشوکت جواب سے خاموش ہوگئے اور کچھ جواب نہ دیتے بن پڑی تو ہٹ اور ضد پر اتر آئے اور جاہلانہ طور سے کہنے لگے نوح تم بڑے جھگڑالو ہو، تم نے توحید نبوت اور معاد کے متعلق جھگڑے کو بڑا طول دیا۔ اب مزید سوال جواب کی ضرورت نہیں جو کچھ تم سے ہو سکے کر دکھاؤ، تم ہم کو ناگہانی آفت کے آنے سے ڈراتے ہو۔ اگر سچے ہو تو موعود آفت ہمارے سر پر لے آؤ۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا لوگو! عذاب اور آفت کا لانے والا تو اللہ ہی ہے۔ جب خدا اپنا عذاب بھیجے گا تو تمہارا کوئی قابو اس کے مقابلہ میں نہ چل سکے گا۔ میں نے تم کو نصیحت کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی، مگر معلوم ہوتا ہے کہ تم ازلی گمراہ ہو تو میں کتنی بھی خیر خواہی کرنی چاہوں تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ تمہاری ضلالت و ہدایت اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے کیوں کہ وہی تمہارے مبداء و معاد کا مالک ہے۔

مقصود بیان کفر و ایمان بارادہ الٰہی ہے۔ اللہ کسی کے کفر کو گوارہ نہیں فرماتا، لیکن اس کی مشیت کے بغیر بندہ مومن ہو بھی نہیں سکتا۔ مومن بنانا اور کفر کے دائرہ سے نکالنا نبی کی قدرت سے بھی خارج ہے۔ جب انسان دلائل کے مقابلے میں لاجواب ہو جاتا ہے تو جاہلانہ ہٹ پر اُتر آتا ہے۔ نبی اُمت کا خیر خواہ ہوتا ہے اگرچہ لوگ اس کو خیر خواہ نہیں سمجھتے۔

(٤) أَمْ يَقُولُونَ افْتَرٰهُ قُلْ إِنِ افْتَرَيْتُهُ فَعَلَيَّ إِجْرَامِي وَأَنَا بَرِيءٌ مِّمَّا تُجْرِمُونَ ع

(اے محمد) کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ نبی نے قرآن کو خود بنا لیا ہے تم کہہ دو کہ اگر میں نے خود بنا کر درفرغ بندی کی ہو تو میرا جرم میرے ذمہ ہے مگر تمہارے جرم میں بری الذمہ ہوں

تفسیر مقاتل کے نزدیک یہ کلام حضرت نوحؑ کے قصہ میں بطور جملہ معترضہ کے آگیا ہے، کفار مکہ کے حق میں نازل ہوا ہے اور روئے خطاب

toobaafoundation.com

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب ہے۔ ابن کثیر نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ امام رازی کے نزدیک حضرت نوحؑ کے قول کا تکملہ ہے۔ کیونکہ دوران قصہ نوحؑ میں کفار مکہ کی حالت کا بیان اور رسول پاکؐ کو خطاب فرمانا اصول بیان کے خلاف ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ حضرت نوحؑ نے بطور اتمام حجت فرمایا۔ اگر میں سچا ہوں اور تم میری تکذیب کر رہے ہو تو لامحالہ تم کو اس کی سزا ملے گی اور اگر میں نے افترا بندی اور دروغ تراشی کی ہے تو اس کا وبال مجھ پر پڑے گا تم پر اس کا وبال نہ آئے گا۔ پھر خواہ مخواہ میری تکذیب کرتے ہو۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا

نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی تھی کہ تمہاری قوم میں سے سوائے اُن لوگوں کے جو ایمان لا چکے ہیں اور لوگ ہرگز ایمان نہ لائیں گے لہٰذا تم

تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۝ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا وَلَا

اُن کی حرکات کا غم نہ کرو اور ہمارے سامنے ہمارے حکم کے مطابق کشتی بناؤ اور

تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ

ظالموں کے بارے میں مجھ سے بات نہ کرو کیونکہ اُن کو ضرور غرق کیا جائیگا نوح کشتی بنا رہے تھے اور جب کبھی ان کی طرف سے ان

مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ۝

کی قوم کے کچھ سردار گزرتے تھے تو اُن کا مذاق اڑاتے تھے نوح کہتے تھے اگر تم اب ہم پر ہنستے ہو تو جس طرح تم ہمارا مذاق اڑا رہے ہو ہم بھی ضرور تمہارا مذاق اڑائیں گے

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝

آگے تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کس پر رُسوا کرنے والا عذاب آئے گا اور دوامی عذاب نازل ہوگا

تفسیر جب اتمام حجت ہو چکا اور کوئی نصیحت سودمند نہ ہوئی تو حضرت نوحؑ کو قوم کی تباہی کا بڑا غم ہوا۔ وحی آئی نوحؑ ان لوگوں کے کرتوت کا کچھ غم نہ کرو۔ جو لوگ ایمان لے آئے سو آئے آئندہ کوئی ایمان نہیں لائے گا۔ تبلیغ ختم کرو اور ہماری وحی کے علم کے مطابق کشتی بنانا شروع کر دو۔ حضرت نوحؑ نے اپنے بیٹے کنعان کے متعلق عرض کیا تو ارشاد ہوا نوح کسی ظالم ناشناس کے متعلق کچھ نہ کہو۔ ہر ظالم کے ڈوبنے کا قطعی مبرم حکم ہو چکا۔ غرض حضرت نوحؑ نے کشتی بنانی شروع کی اور بروایت ابن عباس دو سال تک بناتے رہے۔ کشتی کتنی لمبی چوڑی اور کتنی اونچی تھی؟ اور کس لکڑی کی تھی اس کی تفصیل اسرائیلی لٹریچر میں مختلف طور پر آئی ہے اور چونکہ کوئی قول یقینی نہیں، اس لئے ہم کو اس کے ذکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ بہرحال حضرت نوحؑ جس وقت کشتی بناتے تھے کور باطن کافر آپ کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے تھے نوحؑ اب تک تم پیغمبر تھے اب بڑھئی ہو گئے۔ کیسے دیوانے ہو۔ پانی کہاں ہے دریا ہے دور خشکی میں ناؤ کیسے چلے گی۔ حضرت نے جواب دیا اب تو تم ہم سے مذاق کر رہے ہو کیونکہ حقیقت تمہاری نظروں سے اوجھل ہے۔ عنقریب ہم تمہارا مذاق اڑائیں گے تم کو کچھ ہی زمانے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ دوامی اور لازوال عذاب کس پر نازل ہوتا ہے۔ محمد اسحاق نے بروایت عبید بن عمیر لیثی بیان کیا ہے کہ حضرت نوحؑ کی قوم آپ کو بہت زیادہ تکلیفیں دیتی، لیکن آپ معاف فرما دیتے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے پروردگار یہ لوگ نادان ہیں ان کو معاف فرما دے۔ جب قوم کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور حضرت پر سختیاں بہت زیادہ ہونے لگیں تو بارگاہ خداوندی میں شکایت کی اور قوم کے حق میں بددعا کی اسی وقت عذاب کا حکم ہوا اور حضرت نوحؑ کے پاس مذکورۂ بالا وحی نازل ہوئی۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان ظالموں اور حق ناشناسوں پر رحم کھانا اور ان کی تباہی پر غم کرنا نہ چاہیئے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا کہ آئندہ کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ نوح ؑ نے بعض کافروں کی نجات کی خواستگاری کی تھی۔ لیکن منظور نہ ہوئی اور اہل ظلم کے لئے دُعا کرنے کی ممانعت کر دی گئی۔ ظاہر پرست، کور باطن اور حقیقت ناشناس ہوتے ہیں، اس لئے اہل حق و معرفت کا مذاق اڑاتے ہیں وغیرہ۔

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آ پہنچا اور تنور جوش مارنے لگا تو ہم نے کہا کہ سوا ان لوگوں کے جن کو غرق ہونے کا پہلے حکم ہو چکا ہے ہر

اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ ؕ وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ○

قسم میں سے دو دو نر و مادہ اور اپنے گھر والے مسلمان سوار کر لو نوح کی معیت میں سوا چند آدمیوں کے کوئی ایمان نہ لایا تھا

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَهِيَ

نوح ؑ نے کہا کشتی میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے اس کا چلنا اور ٹھہرنا میرا رب بلاشبہ غفور رحیم ہے کشتی

تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۣ وَنَادٰى نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ

ان کو پہاڑوں کی طرح لہروں میں لئے جا رہی تھی اُس وقت نوح کا بیٹا ایک کنارے پر تھا نوح نے اس کو آواز دے کر کہا بیٹے

ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ○ قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ

ہمارے ساتھ سوار ہو جا کافروں کے ساتھ نہ رہو وہ بولا میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا وہ مجھے پانی

مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ بَيْنَهُمَا

سے بچا لے گا نوح نے کہا آج خدا کے قہر سے کوئی بچانے والا نہیں ہاں جس پر خدا خود رحم کرے (وہی بچ سکتا ہے) اتنے میں دونوں

الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ○ وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ

کے درمیان موج حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے لگا اور حکم دیا گیا اے زمین اپنا پانی جذب کر لے اور اے آسمان تھم جا پھر

وَغِيْضَ الْمَآءُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ○ الربع

پانی سکھا دیا گیا اور کام تمام کر دیا گیا جودی پر کشتی جا ٹھہری اور کہہ دیا گیا کہ ظالم لوگ دور ہوں

تفسیر آیات کا مطلب واضح ہے۔ ہم تحقیق اجزاء کے لئے چند امور ذکر کرتے ہیں۔ (۱) تنّور کے معنی میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک تنور کے معنی ہیں روئے زمین۔ تورات میں بھی کل سطح زمین سے پانی کے ابلنے کا تذکرہ ہے۔ امام رازی نے اسی قول کو پسند کیا ہے۔ ابن عباس، عکرمہ، زہری اور ابن عیینہ کی یہی روایت ہے۔ تنّور کشتی کے وسطی نشیبی حصہ کو کہتے ہیں، جہاں پانی جمع ہو جاتا ہے۔

toobaafoundation.com

یہ قول حسن بصری کا ہے۔ تَنُّوْر کے معنی ہیں طلوع فجر یعنی جب نورکا ترشا ہوگیا یہ قول حضرت علی کا ہے۔ تَنُّوْر سے مراد کوفہ کی مسجد ہے یعنی جہاں اب مسجد کوفہ ہے وہ مقام مراد ہے یہ قول مجاہد کا ہے۔ مجاہد سے یہ بھی روایت ہے کہ تنور کا مقام کوفہ کے اندر داخل ہونے والے کے دائیں جانب باب کندہ کے متصل واقع ہے۔ شعبی قسم کھاکر کہتے تھے کہ ناحیۂ کوفہ ہی سے تنور اُبلا تھا۔ تَنُّوْر (اونچی زمین یا مرتفع مقام کو کہتے ہیں۔ یہ قول قتادہ کا ہے۔ تَنُّوْر اُس چشمہ کا نام ہے جس کو عین الوردہ کہا جاتا ہے اور جو ملک شام کے ایک جزیرہ میں واقع ہے۔ بکذا روی عن عکرمہ ومقاتل۔ تَنُّوْر سے یہی روٹی پکانے کا تنور مراد ہے۔ قالہ عطیہ وحسن واکثر المفسرین۔ نحاس نے فرمایا مذکورہ اقوال میں باہم اختلاف نہیں کیونکہ پانی ضرور روٹی پکانے کے تنور سے نکلنا شروع ہوا۔ آگ کے مقام سے پانی نکلنا کرشمۂ قدرت اور معجزۂ نوحؑ تھا۔ اس کے بعد تمام روئے زمین سے پانی اُبلنا شروع ہوا اور آسمان سے جھما جھم برسنے لگا۔ قرآن میں آیا ہے۔ فَفَتَحْنَآ اَبْوَابَ السَّمَآءِ بِمَآءٍ مُّنْهَمِرٍ وَّفَجَّرْنَا الْاَرْضَ عُيُوْنًا۔ ہوسکتا ہے کہ فجر کے وقت اُبلنا شروع ہوا ہو اور سب سے زیادہ طوفان عین الورد سے پیدا ہوا ہو۔ میرے نزدیک بھی تنور کے حقیقی معنی مراد لینا اولیٰ ہے۔

(۲) نوح نے اپنے بیٹے کو آواز دے کر کشتی میں سوار ہونے کو کہا، مگر وہ سوار نہ ہوا اور ڈوب گیا۔ اس کا نام مفسرین اہل اسلام نے کنعان بتایا ہے اور کنعان کی ماں کا نام راعلہ لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ راعلہ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ غرق ہوگئی کیوں کہ وہ بھی کافرہ تھی۔ لیکن تورات کے سفر پیدائش میں لکھا ہے کہ نوح کے صرف تین بیٹے تھے۔ حامؔ، سامؔ، یافثؔ اور ان تینوں نے کشتی میں سوار ہو کر طوفان سے نجات پائی۔ البتہ کنعان حام کا بیٹا اور نوحؑ کا پوتا تھا جو غرق ہوا۔ میرے نزدیک تورات کی تصریح صرف اختراعی ہے اور قرآن کا بیان صحیح ہے کیونکہ تورات کی صراحتیں خود باہم مختلف ہیں۔ تورات کے ۹ باب میں ہے کہ حام نے اپنے باپ نوح کو بحالت مخموری خیمہ کے اندر برہنہ پایا جس پر سام اور یافث نے اس پر کپڑا ڈھانک دیا۔ ۱۸ تا ۲۳ پھر ۲۴ میں ہے کہ جب نوح شراب کے نشہ سے ہوش میں آیا تو جو اس کے چھوٹے بیٹے نے اس کے ساتھ کیا تھا اسے معلوم کیا تب وہ بولا کنعان ملعون ہو۔ وہ اپنے بھائیوں کے غلام کا غلام ہوگا (۲۶) پھر ۲۷ خدا یافث کو پھیلائے وہ سام کے ڈیروں میں رہے اور کنعان اس کا غلام ہو۔ اب سوچنا چاہیئے کہ چھوٹے بیٹے سے کون مراد ہے۔ حام یا کنعان؟ اگر حام نے برہنگی دیکھی تو کنعان غریب کا کیا قصور جو اس پر لعنت کی گئی اور سام کو حام کا غلام کیوں بنایا گیا۔ اگر کنعان کو حام کا بیٹا قرار دیا جائے اور حام کے لئے نوح نے بددعا کی، اس لئے کنعان بھی ملعون قرار پایا۔ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ کنعان کے تین بھائی اور بھی تھے۔ مصر، فوط اور کوش پھر فقط کنعان ہی کیوں ملعون قرار پایا۔ اس تقریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ چھوٹے بیٹے سے کنعان ہی مراد ہے اور یہی تصریح تفسیر اہل اسلام کے مطابق ہے۔

(۳) قرآن پاک نے جودی پہاڑ پر کشتی کا ٹھہرنا ظاہر کیا ہے، مگر تورات کے سفر پیدائش باب ۷ ورس ۴ میں صراحت ہے کہ اراراط پر کشتی ٹھہری۔ اس کی تحقیق پادری میتھر نے لغات بائبل کے صفحہ ۶۰-۶۱ پر کی ہے کہتے ہیں اراراط سرزمین آرمینیا کا ایک صوبہ ہے۔ رہی یہ بات کہ آرمینیا کے کس پہاڑ پر کشتی ٹھہری؟ تو سکندر کے زمانے میں بریسس نے صراحت کردی ہے کہ کوہستان کردستان میں جودی نامی ایک پہاڑ ہے جو آرمینیا کے جنوبی جانب ہے، اسی پہاڑ پر کشتی ٹھہری۔ یہاں ایک خانقاہ بھی تعمیر ہوئی تھی جو کشتی کی خانقاہ کہلاتی تھی۔ سنہ ۷۷۶ء میں بجلی نے اس کو نابود کردیا، لیکن شمال کی جانب ایک اور پہاڑ ہے جس کو یورپین اراراط اور آرمینی نے مسیس اور ترک آگر داغ کہتے ہیں اور اہل فارس کوہِ نوح کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ولیم ینگ اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں کہ شہر اردن جو کبھی آرمینیا کا پایۂ تخت تھا اور اب ایک قصبہ کی حیثیت رکھتا ہے اس کے پاس کوہ اراراط واقع ہے جس پر کشتی ٹھہری تھی۔ صاحب مراصد نے جودی کا محل وقوع علاقہ موصل دجلہ کے شرقی جانب قرار دیا ہے۔ مذکورہ بالا صراحات سے ثابت ہوتا ہے کہ کوہ اراراط اور کوہ جودی کا سلسلہ ملتا ہے اور اراراط آرمینیا کا ایک حصہ ہے۔ کوہستان اراراط کا سلسلہ کردستان کے پہاڑوں سے ملتا ہے۔ اراراط اور کوہستان جارجیہ کو ملانے والا جودی ہے۔ جودی پر قیام کے بعد جب پانی خشک ہوگیا تو حضرت نوح اہل وعیال کو لے کر علاقہ آرمینیا کے ایک گاؤں میں آکر رہے۔ اس گاؤں کا نام ارگوری مشہور رہا ہے۔ سنہ ۱۸۴۰ء میں آتش فشانی اور زلزلہ کی وجہ سے یہ گاؤں تباہ ہوگیا۔

(۴) طوفان تمام سطح زمین پر آیا تھا یا کسی خاص ملک میں اس کے متعلق اہل تاریخ کا اختلاف ہے۔ ابن خلدون وغیرہ نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ طوفان نوح کل روئے زمین پر آیا تھا اور کشتی میں بیٹھنے والوں کے علاوہ تمام دنیا کی آبادی تباہ ہوگئی تھی۔ پھر کشتی والوں میں سے سوائے نسلِ نوح کے اور

toobaafoundation.com

لوگ لاولد مر گئے۔ تمام زمین پر نوح کی ہی نسل پھیلی، اسی لئے آپ کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ ابن اثیر نے کامل میں لکھا ہے کہ مجوسی عموماً طوفان نوح سے انکار کرتے ہیں۔ ہاں بعض مجوسی اقرار کرتے ہیں تو وہ بھی فقط ملک بابل میں طوفان آنے کے قائل ہیں۔ کیومرث کی اولاد مشرق میں رہا کرتی تھی وہاں تک طوفان نہیں پہنچا۔ اسی طرح اہل ہند، ایرانی اور چینی اس طوفان کا اقرار نہیں کرتے۔ بعض اہل فارس کہتے ہیں کہ طوفان ضرور آیا تھا، مگر عام نہ تھا۔ عقبہ حلوان سے آگے نہیں بڑھا۔ مقریزی نے خطط میں لکھا ہے کہ تمام اہل کتاب خواہ یہودی ہوں یا عیسائی یا مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ اولادِ آدم کا بقا صرف حضرت نوح کی نسل سے ہوا، مگر مصری، ہندی، ایرانی اور چینی طوفان کے قطعاً منکر ہیں۔ ان بعض قائل ہیں تو وہ بھی اتنے کہ ملک بابل اور اس کے غربی حصوں میں طوفان آیا تھا۔ اہل فارس کے نزدیک کیومرث آدم اول تھا جو مشرقی ملکوں میں رہتا تھا۔ اس کی اولاد طوفان سے غرق نہیں ہوئی۔

مقصود بیان امر الٰہی کے مقابلے میں کل دنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ آگ سے پانی نکال کر خدا تعالیٰ اپنے امر سے کل دنیا کو تباہ کر سکتا ہے۔ سرکشی اور کفر کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کچھ نہیں۔ نبی کی نافرمانی موجب بربادی ہے۔ نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ حضرت نوح کو حکم تھا کہ پرندوں، درندوں اور چرندوں کی ہر نوع کا ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کر لو۔ نجات پانے والے صرف اہل کشتی ہی تھے۔ اللہ کا نام لے کر کام کرنا برکت، سعادت اور نجات کا باعث ہے۔ محسوس پرست انسان مخلوق کو اپنا پشت پناہ خیال کرتا ہے۔ جس طرح کنعان نے پہاڑ پر بھروسہ کیا۔ پیمبر زادگی بغیر توحید و فرماں برداری کے بے سود ہے۔ نسب موجب نجات نہیں بلکہ عمل باعث عافیت ہے۔ آسمان و زمین سب حکم الٰہی کے تابع ہیں۔ اس قصہ میں ان مسلمانوں کے لئے درس بصیرت ہے جو ایک اللہ کو چھوڑ کر نام نہاد فقیروں سے مدد چاہتے ہیں اور در بدر جبیں سائی کرتے پھرتے ہیں۔ بالیقین امر الٰہی سے کوئی بچانے والا نہیں۔ ہاں اسی سے رحم کی التجا کی جائے تو امید ہے کہ نجات ہو جائے وغیرہ۔

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ

نوح نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب! میرا بیٹا بھی میری اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ سچا ہے تو سب سے

اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ

بڑا حاکم ہے اللہ نے فرمایا نوح! وہ تیری اہل میں سے نہیں ہے۔ اس کے عمل اچھے

صَالِحٍ ۖ فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ

نہیں ہیں جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے متعلق سوال نہ کر میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ تو نادانوں میں

الْجٰهِلِيْنَ ۝ قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

شامل نہ ہو نوح نے عرض کیا پروردگار جس بات سے میں ناواقف ہوں اس کے متعلق سوال کرنے سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں

وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝

اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور مجھ پر رحم نہ کرے گا تو میں خسارہ میں پڑ جاؤں گا۔

تفسیر اللہ نے حضرت نوح سے وعدہ فرمایا تھا کہ میں تیری اہل کو غرق نہیں کروں گا۔ کنعان باپ کے حکم کے باوجود کشتی میں نہ بیٹھا۔ حضرت نے فہمائش کی مگر اس نے ایک نہ مانی نتیجہ یہ ہوا کہ ایک موج آئی حضرت نوح کے کنعان کے درمیان حائل ہو گئی اور وہ ڈوبنے لگا۔ باپ کا دل

toobaafoundation.com

بیتاب ہو گیا۔ اللہ کا وعدہ یاد آیا پکار اٹھے پروردگار تیرا وعدہ سچا ہے تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کیا تھا میرا بیٹا میرے اہل میں داخل ہے۔ اس کو بچا دے۔ حکم ہوا نوح بے وقوف نہ بنو تمہارے اہل میں وہ لوگ داخل ہیں جو تمہارے ہم عقیدہ ہوں جن کے کرتوت اچھے ہوں یہ تمہارے اہل میں داخل نہیں۔ جس چیز کا تم کو علم نہیں اس کے متعلق آئندہ درخواست بھی نہ کرنا حضرت نے یہ عتاب آمیز حکم سنتے ہی توبہ کی معافی چاہی اور اپنے قصور کا اعتراف کیا کنعان غرق ہو گیا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ کنعان نوح کا بیٹا نہ تھا بلکہ حرامی تھا اس لئے اس کو نوح کی اہل میں سے قرار نہیں دیا گیا، مگر یہ غلط ہے۔ نوح کے اہل میں سے نہ قرار دینے کی وجہ صرف خرابیٔ عمل ہے۔ خرابیٔ عمل سے نسبی رشتہ منقطع نہیں ہوتا۔ حضرت نوح کی نظر نسبی رشتہ پر تھی، مگر مدار نجات چونکہ اعمال تھے۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے کنعان کو اہل نوح میں شمار نہیں کیا۔ رہا حرامی ہونا تو اس کے ثبوت کی ضرورت ہے۔ حضرت ابن عباس نے تو صراحت کر دی ہے کہ کسی نبی کی بیوی نے زنا نہیں کیا پھر کیوں کر کنعان کو حرامی قرار دیا جا سکتا ہے۔

مقصود بیان مدار سعادت عمل ہے۔ نسبی رشتہ کوئی چیز نہیں۔ قربت نسب سے نہیں بلکہ عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ وعدۂ الٰہی میں دروغ ناممکن ہے۔ نسبی محبت اضطراری چیز ہے جس سے انبیاء بھی خالی نہیں۔ اگر بیٹے کے اعمال بھی خلاف شرع ہوں تو اس سے قطع تعلق کر لینا چاہیئے۔ خلاف شرع کوئی دعا نہ کرنی چاہیئے۔ اولاد سے محبت و عداوت بھی محض اللہ کے لئے ہونی چاہیئے۔ جہالت بڑی بلا ہے۔ خدا تعالےٰ نے اپنے انبیاء کو مقام جاہلین سے دور فرما دیا ہے۔ حضرت نوح سے اجتہادی غلطی ہوئی اور اجتہادی غلطی بھی علم کے بعد موجب توبہ ہے۔ چنانچہ حضرت نوح نے بھی اپنی غلطی کا اعتراف کر کے توبہ کی اور خدا تعالیٰ نے ان پر برکتیں نازل فرمائیں۔

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰۤى أُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۚ وَأُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ

حکم ہوا نوح ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اترو۔ تم پر اور ان جماعتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں برکتیں شامل ہیں اور دوسرے (کافر) فرقوں کو

ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ تِلْكَ مِنْ أَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَآ إِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ

دنیا میں کچھ مزہ اڑانے دینگے پھر ہماری طرف سے انکو دردناک عذاب پہنچے گا (اے محمد) یہ غیب کی چند خبریں ہیں جو ہم تم کو بھیج رہے ہیں اس سے پہلے تم اور تمہاری قوم ان

تَعْلَمُهَآ أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۛ فَاصْبِرْ ۛ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ۝ ع

سے واقف نہ تھی صبر کرو انجام بخیر پرہیزگاروں کا ہی ہوتا ہے

تفسیر طوفان کم ہوا کشتی ٹھہری، زمین خشک ہوئی۔ حضرت نوح کو اترنے کا حکم ہوا حضرت نوح کو اندیشہ ہوا کہ پانی کی وجہ سے ہر طرف عفونت پھیل گئی ہے، اگر کہیں قیام کیا جائے تو بیمار ہونے کا اندیشہ ہے۔ پھر کھانے پینے کو کہاں سے آئے گا؟ زمین کی کل پیداوار فنا ہو گئی۔ ارشاد ہوا نوح اس کا اندیشہ نہ کرو۔ ہماری طرف سے سلامتی، جسمانی عافیت اور رزق کی برکت تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو حاصل ہو گی اور فقط رزق کی برکت ہی نہیں بلکہ مختلف برکتیں نصیب ہوں گی۔ افعال و اعمال میں برکت، عمر میں برکت، زندگی میں برکت، روحانی برکت، آخرت کی برکت اور بالآخر دائمی نجات۔ البتہ کچھ قومیں ایسی ہوں گی جن کو دنیا میں عیش و آرام اور راحت و چین ملے گا۔ کچھ زمانے تک وہ مزہ اڑائیں گے۔ اور بالآخر انجام برا ہو گا، اخروی سعادت نصیب نہ ہو گی۔

مقصود بیان قانون قدرت ہے کہ پھول کے ساتھ کانٹا، خیر کے ساتھ شر اور اچھے کے ساتھ برا لگا رہتا ہے۔ اللہ نے پہلے ہی حضرت نوح کو بتا دیا تھا کہ اگرچہ اس وقت تمام کفار تباہ ہو گئے لیکن آئندہ قانون قدرت کے مطابق کچھ قومیں شریر اور بدکار بھی ضرور ہوں گی جن کو دنیوی زندگانی میں عیش و راحت عطا کی جائے گی مگر انجام کار عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ قرآن پاک کے اندر گذشتہ واقعات کی صحیح تفصیل اعجازی ہے۔ اہل شرک کی ایذا رسانی پر صبر کرنا انبیاء کا شیوہ ہے۔ انجام کار کامیابی اہل تقویٰ کو حاصل ہوتی ہے۔ آیت میں مسلمانوں کے لئے ایک پیام نصیحت ہے کہ اہل باطل کے مقابلہ

toobaafoundation.com

غلبہ سے خوف زدہ ہو کر حق کے دامن کو نہ چھوڑنا چاہیئے۔ آخر میں فتح اہلِ حق کو ہی ہوگی۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ إِنْ أَنتُمْ

اور ہم نے عاد کی طرف اُن کے قومی بھائی ہود کو بھیجا ہود نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تم سب دروغ بافی

إِلَّا مُفْتَرُونَ ○ يَا قَوْمِ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى الَّذِي

کرتے ہو اے میری قوم میں تم سے اس کی کوئی اُجرت نہیں مانگتا میری اُجرت اُس خدا کے ذمہ ہے جس نے مجھے

فَطَرَنِي ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ

پیدا کیا ہے کیا تم سمجھتے نہیں ہو اے میری قوم اپنے رب سے توبہ استغفار کرو وہ ابر باراں تم پر

عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ○ قَالُوا يَا هُودُ مَا

بھیج دے گا اور قوت پر قوت تمہاری بڑھا دے گا تم مجرم بن کر رُخ نہ پھیرو قوم والے بولے ہود!

جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَن قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ○

تم ہمارے پاس کوئی دلیل لے کر نہیں آئے تمہارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ ہم تمہارا یقین کرنے والے ہیں

إِن نَّقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ ۗ قَالَ إِنِّي أُشْهِدُ اللَّهَ وَاشْهَدُوا أَنِّي بَرِيءٌ

ہماری رائے میں تو تم کو ہمارے کسی معبود نے بُری طرح جھپٹ لیا ہے ہود نے کہا میں خدا کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان سے بیزار ہوں

مِّمَّا تُشْرِكُونَ ○ مِن دُونِهِ ۖ فَكِيدُونِي جَمِيعًا ثُمَّ لَا تُنظِرُونِ ○ إِنِّي تَوَكَّلْتُ عَلَى

جن کو تم خدا کو چھوڑ کر شریک ٹھہراتے ہو اب تم سب مل کر تدبیریں کر ڈالو اور مجھے مہلت نہ دو میرا بھروسہ اُس اللہ پر

اللَّهِ رَبِّي وَرَبِّكُم ۚ مَّا مِن دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ○

ہے جو میرا اور تمہارا رب ہے ہر جاندار کی چوٹی اُسی کے دستِ قدرت میں ہے میرا رب سیدھے راستہ پر ہے۔

فَإِن تَوَلَّوْا فَقَدْ أَبْلَغْتُكُم مَّا أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَيْكُمْ ۚ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّي قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا

اس پر بھی اگر تم رُخ پھیرے رہو تو جو پیام دے کر مجھے بھیجا گیا ہے وہ میں تم کو پہنچا چکا میرا رب تمہاری بجائے کسی دوسری قوم کو قائم کر دے گا اور تم

تَضُرُّونَهُ شَيْئًا ۚ إِنَّ رَبِّي عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَفِيظٌ ○

اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے

toobaafoundation.com

تفسیر یہ واقعہ قوم عاد کا ہے۔ عاد دو قوموں کا نام ہے۔ عادِ اوّل اور عادِ ثانی۔ عادِ اوّل سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے اور حضرت نوحؑ سے آٹھ سو برس بعد ان کا دور تھا۔ ان کا مسکن ملک یمن تھا۔ یمن ان کا دارالسلطنت صنعا میں انھوں نے ایک قصر تعمیر کیا تھا جس کا نام عمدان تھا۔ بقول صاحب قاموس قصر عمدان ہفت منزلہ تھا اور ہر منزل کی بلندی چالیس گز تھی۔ یہ قصر حضرت عثمان کی خلافت تک کچھ باقی تھا۔ حضرت ہود عادِ اوّل ہی کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے۔ عادِ ثانی کا بادشاہ شداد مشہور تھا۔ لقمان بھی اسی میں سے تھے۔ حضرت صالح کو اسی کی ہدایت کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ علامہ ابن سعید نے لکھا ہے کہ شداد بن مرداد بن شداد بن عاد نے حدود ملک کو بہت وسیع کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ قبطِ بن مصر کے ہاتھ سے جنوبی مصر کو بھی چھین کر ممالک یمن میں شامل کر کے قبط کو اپنا باجگذار بنا لیا۔

آیت کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جب (جنوبی عرب میں) قوم عاد نے سرکشی شروع کر دی اور اس کی شرک سازی حد سے بڑھ گئی تو انھیں کی قوم میں ہود کو خدا تعالیٰ نے اپنی رسالت کے لئے انتخاب کیا۔ حضرت ہود نے توحید کی تبلیغ پر زور دلائل کے ساتھ کی۔ شرک کی تردید بلیغ طرز میں کی اور کافروں کو جو عموماً خیال ہوتا ہے کہ نبی کا مقصود نبوت کے دعویٰ سے شاید حکومت و دولت کا حصول ہے۔ اس خیال کا بھی ازالہ کیا اور چونکہ قوم عاد کاشتکار تھی۔ باغ اور کھیتی عموماً ان کے ذرائع معاش تھے اور بقول ضحاک تین سال سے بارش نہ ہوئی تھی، اس لئے حضرت ہود نے خشک سالی کو نتیجۂ نافرمانی قرار دیتے ہوئے استغفار و اطاعت کی ترغیب دے کر قحط سالی دور ہونے کا لالچ بھی دیا۔ پھر بقول عکرمہ قوم عاد کی نسل میں بھی کمی ہو گئی تھی۔ تین سال سے پیدائش کی بہت قلت تھی۔ پیغمبر کے بشرط فرماں پذیری کثرتِ اولاد کا بھی وعدہ کیا، لیکن سرکش قوم نہ ماننے والی تھی نہ مانی۔ بجائے اطاعت کے پیغمبر کو مجنون اور مخبوط الحواس قرار دیا اور بولے ہمارے کسی دیوتا نے ناراض ہو کر تجھے پاگل بنا دیا ہے۔ ہم تیرے کہنے سے اپنے دیوتاؤں کو نہیں چھوڑ سکتے۔ حضرت ہود نے کافروں کے کفر سے اظہار برأت کرتے ہوئے انتہائی جرأت کے ساتھ اعلان کر دیا کہ تم کیا اور تمہارے دیوتا کیا تم میں حقیقی طاقت ہے سب صرف کر ڈالو اور بغیر کسی رعایت و مہلت کے میرے ضرر پہنچانے کی کوشش کرو۔ میرا بھروسہ محض اللہ پر ہے۔ اسی کے دستِ قدرت میں کل دنیا اور اہلِ دنیا کے تصرفات ہیں۔ اس کے بعد دھمکی بھی دی کہ اگر تم میرا کہا نہ مانو گے تو برباد کر دیے جاؤ گے۔ سطحِ زمین کو تمہارے ناپاک وجود سے اللہ خالی کر دے گا۔ کافروں سے اللہ کا کوئی تعلق نہیں۔ تمہاری بجائے وہ دوسری قوموں کو اسی زمین پر آباد کر دے گا۔ اس کی زد سے تم باہر نہیں ہو۔ الخ۔

مقصود بیان لفظ اَخَاھُمْ کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ہود کوئی غیر نہ تھے جن کا چال چلن عاد کو معلوم نہ ہو بلکہ انھیں میں سے تھے۔ نبی کا کام تبلیغ توحید ہے۔ توحید کے ساتھ اصلاح اعمال کا بھی وہ حکم دیتا ہے۔ حضرت ہود نے بھی دونوں باتوں کی نصیحت کی۔ درپردہ اس امر کا بھی اظہار ہے کہ مال و دولت کی کمی، خشک سالی اور اولاد کی قلت گو بظاہر کسی سبب کے تحت معلوم ہو، لیکن اس کی وجہ اللہ کی نافرمانی ہے۔ جب اللہ کسی کو مردود کرتا ہے تو وہ اپنی رائے اور گمان کو تمام حکمتِ الٰہیہ پر محیط خیال کرنے لگتا ہے۔ خدا رسیدہ انسان دنیا کی کسی طاقت و شوکت سے نہیں ڈرتا، اس کا بھروسہ فقط ذاتِ الٰہی پر ہوتا ہے وغیرہ۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ

جب اُن پر ہمارا عذاب آ پہنچا تو ہود کو اور ہود کے ساتھی مسلمانوں کو اپنی رحمت سے ہم نے بچا لیا اور بڑے سخت عذاب سے

عَذَابٍ غَلِيْظٍ ۝ وَتِلْكَ عَادٌ ۘ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْٓا

نجات دی یہی قوم عاد تھی جس نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی اور ہر سرکش

toobaafoundation.com

أَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ ○ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا إِنَّ

مخالف کے کہنے پر چلے نتیجہ یہ ہوا کہ اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی اُن کے پیچھے لعنت لگا دی گئی خوب سن لو

عَادًا كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُودٍ ○ ع ۵

عاد نے اپنے رب کا انکار کیا آگاہ ہو کہ ہود کی قوم عاد پر لعنت

تفسیر سرکشوں کی سرکشی حد سے بڑھ گئی تو قہرِ الٰہی جوش میں آیا، آندھی کا ایک زبردست طوفان اٹھا جس نے کل آبادی کو تہ و بالا کر دیا۔ ہزاروں لاکھوں لاشوں کے انبار گلی کوچوں میں لگ گئے، مکانوں کے اندر دب گئے، ہوا سے اُڑ کر پہاڑوں اور درختوں سے ٹکرا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ رسولِ پاکؐ کے زمانے تک ان کے کھنڈر اور آثار موجود تھے۔ سرِ راہ سے گزرنے والے عرب ان کو دیکھتے اور جاتے تھے۔ حضرت ہودؑ کو ان کی جماعت سمیت خدا نے بچا لیا۔

ایک شبہ کا ازالہ ہود کی قوم میں سوائے حضرت ہود کے اور کوئی پیغمبر نہ ہوا پھر ان کی تباہی کو رسولوں کی نافرمانی کا نتیجہ کیوں قرار دیا اور عَصَوْا رُسُلَهُ کیوں فرمایا؟ ایک شبہ ہے جس کا جواب دو طرح دیا گیا ہے۔ اوّل یہ کہ پیغمبرِ وقت پر ایمان لانا اس شرط پر موقوف ہے کہ اس سے پہلے کے تمام پیغمبروں کو مانا جائے۔ قوم ہود نہ صرف حضرت ہود کی تکذیب کرتی تھی بلکہ آپ سے پہلے کے کسی پیغمبر کو نہیں مانتی تھی۔ نہ نوح کو، نہ ادریس و شیث وغیرہم کو۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ تمام پیغمبر فرضِ رسالت اور اصولِ پیغمبری میں یکساں ہیں، اس لئے اگر ایک پیغمبر کا بھی انکار کر دیا جائے تو باوجود دوسرے پیغمبروں کی تصدیق کے ایسے شخص کو تمام پیغمبروں کا منکر قرار دیا جائے گا۔ قوم ہود نے حضرت ہود کا انکار کیا نہ کیونکہ دوسرے پیغمبروں نے ہود کی رسالت کی تصدیق کی اور جب پیغمبروں کی رسالت کی تصدیق کو نہ مانا تو گویا ان کی بھی تکذیب کی۔

مقصودِ بیان حضرت ہودؑ کو ان کی جماعت سمیت خدا نے نجات دی۔ نجات محض رحمتِ الٰہی ہے۔ کسی استحقاق پر مبنی نہیں ہے۔ محض اپنے رحم و کرم سے لفظ برحمۃٍ میں اس طرف اشارہ ہے کہ کسی کو اپنے اعمال و اقوال پر خواہ کیسے ہی نیک ہوں گھمنڈ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ یہ دنیوی نجات افعال پر مبنی ہے نہ اخروی سعادت، یہ تو فضلِ الٰہی ہے۔ وہ اپنی رحمت سے جس کو چاہے نجات عطا فرمائے۔ ظالم، مغرور، سرکش اور سربلند کافروں اور فاسقوں کی بات نہ ماننی چاہیے وغیرہ۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ

اور ثمود کے قومی بھائی صالح کو ہم نے ان کے پاس بھیجا صالح نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اسی

أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ رَبِّي

نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور زمین پر آباد کیا تم اس سے استغفار کرو توبہ میرا رب

قَرِيبٌ مُّجِيبٌ ○ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا

قریب اور دعا قبول کرنے والا ہے قوم والے بولے صالح (۳۱) سے پہلے تو ہم کو تم سے امیدیں تھیں کیا تم ہمیں چیز کی

toobaafoundation.com

اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝

ہمارے باپ دادا پرستش کرتے رہے اسکی پرستش سے تم ہم کو منع کرتے ہو جس چیز کی عبادت کیطرف تم ہم کو بلا رہے ہو ہم کو اسمیں ایسا شک ہے کہ دل نہیں ٹھہرتا

تفسیر عاد ثانیہ جس کا نام ثمود ہے بڑی پر جبروت قوم تھی۔ جنوبی مصر تک اس کا تسلط ہو گیا تھا۔ تمدن بھی اس کا اپنا تھا۔ شداد ایسا بادشاہ اسی قوم میں ہوا۔ لقمان ایسے دانشمند بھی اسی میں تھے۔ حضرت صالح کو خلعت رسالت سے آراستہ فرما کر اس جابر قوم کی ہدایت کے لئے مقرر فرمایا۔ صالح اور ہود میں دو سال کا فرق تھا۔

حضرت صالح کی عمر دو سو اسی برس کی ہوئی۔ قوم ثمود مقام حجر کی نہ رہنے والی تھی۔ حجر ایک علاقہ تھا جس کا محل وقوع شام و مدینہ کے درمیان ایک پہاڑی حصہ تھا۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ قوم ثمود شرک اور بداعمالی میں مبتلا ہو گئی۔ توحید الوہیت و ربوبیت کو چھوڑ بیٹھی تو اللہ نے اس کی ہدایت کے لئے ایک مخصوص فرد کو منتخب فرمایا جس کا نام صالح تھا۔ حضرت صالح نے واحد و یکتا اللہ کی عبادت کی ترغیب دی اور فرمایا اللہ نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اس سرزمین میں تم کو آباد کیا (یا بقول ضحاک) تمہاری عمریں دراز کیں۔ الغرض تمہاری ایجاد و ابقاء اسی کے دست قدرت میں ہے۔ لہٰذا اسی کی طرف رجوع کرو۔ نافرمان قوم نے جواب دیا صالح ہم کو تو تم سے اس سے قبل بڑی بڑی اُمیدیں لگی ہوئی تھیں۔ خیال تھا کہ تم قوم کی اصلاح کرو گے۔ دنیا میں ہمارے کام آؤ گے ہمارے مندروں کا تحفظ کرو گے اور تم اُلٹے ہماری تباہی کے درپے ہو گئے۔ بھلا تمہارے کہنے سے ہم آباؤ اجداد کے دین کو کیسے چھوڑ دیں اور کس طرح اپنے اسلاف کے معبودوں سے مُنہ موڑ لیں۔ تمہاری دعوت کی حقانیت کا ہم کو یقین نہیں، اس لئے ہم اپنے دین کو چھوڑ کر تمہارا دین نہیں قبول کر سکتے

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ

نوح نے کہا اے میری قوم دیکھو تو میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہوں اور اُس نے اپنی رحمت مجھ کو عطا کی ہے اب اگر

يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ ۚ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۝ وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ

میں اس کی نافرمانی کروں تو اللہ کے مقابلہ میں میری کون مدد کرے گا تم تو میری نقصان رسانی میں اضافہ ہی کر رہے ہو اے میری قوم یہ

نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ

اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشان قدرت ہے اللہ کی زمین پر اس کو کھانے پھرنے دو کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ ورنہ تم پر

عَذَابٌ قَرِيْبٌ ۝ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ

قریبی عذاب آ پہنچے گا الغرض قوم والوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے صالح نے کہا اب تین دن تک اپنے گھروں میں مزے کر لو یہ

وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ۝ فَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

وعدہ جھوٹا نہیں ہے بالآخر جب ہمارا عذاب آ پہنچا تو اپنی مہربانی سے ہم نے صالح کو اور اُس کے ساتھی مسلمانوں کو بچا لیا

toobaafoundation.com

مِنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيزُ ۝ وَأَخَذَ الَّذِينَ

اور اُس دن کی رُسوائی سے (محفوظ رکھا) بیشک تمہارا رب قوی اور غالب ہے اور اُن ظالموں کو

ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوا فِي دِيَارِهِمْ جَاثِمِينَ ۝ كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا ۗ أَلَا

ایک چیخ نے پکڑ لیا جس کی وجہ سے وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ گر کر (مر گئے) معلوم ہوتا تھا کہ اِن گھروں میں وہ رہتے ہی نہ تھے آگاہ ہو

إِنَّ ثَمُودَ كَفَرُوا رَبَّهُمْ ۗ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُودَ ۝ ع

کہ ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا سُن لو ثمود پر لعنت ہو

تفسیر

حضرت صالحؑ نے فرمایا بھائیو! اللہ نے مجھے معجزات اور نبوّت محض اپنے کرم سے بغیر کسی استحقاق کے عطا کی۔ میرے پاس اپنی نبوت کے ثبوت کی واضح نشانی موجود ہے۔ کیا اس پر بھی تم کو شک ہی رہے گا۔ ایسی صورت میں اگر میں تمہارا قول مان لوں اور تبلیغ کو ترک کر دوں تو ایک تو تم تباہ ہو پھر میں بھی تباہ ہو جاؤں گا۔ نقصان پر نقصان ہوگا۔ دیکھو اللہ کی بھیجی ہوئی مخصوص طور پر یہ اونٹنی بطور معجزہ تمہارے سامنے ہے (اونٹنی کی مفصل حالت کا بیان سورۂ اعراف میں گزر چکا ہے) چونکہ اونٹنی سے ڈر کر قوم ثمود کے مویشی بھاگتے تھے پھر اونٹنی سب جانوروں کا چارہ بھی کھا جاتی تھی، اس لئے لوگوں نے اس کو روکنا چاہا۔ حضرت صالح فرمایا دیکھو ایسا نہ کرنا۔ کوئی تکلیف اس کو نہ پہنچاؤ ورنہ عنقریب عذاب الٰہی آجائے گا۔ لوگوں نے پیغمبر کی نصیحت نہ مانی کمینگاہ میں چھپ کر ایک کمبخت نے اونٹنی کے تیر مارا، دوسرے نے کونچیں کاٹ ڈالیں اوروں نے مل کر ذبح کر لی۔ حضرت صالح کو علم ہوا دوڑے آئے۔ اونٹنی کی پارہ پارہ ہیئت کو دیکھ کر رونے لگے۔ قوم نے مذاق اڑایا۔ بولے اب وہ موعود عذاب کہاں گیا؟ صالح نے فرمایا اچھا اب وار دنیا میں تین روز سے زیادہ تمہاری زندگی نہیں (تمہارے چہرے اوّل روز زرد، دوسرے روز سرخ اور تیسرے روز سیاہ ہو جائیں گے۔ چوتھے روز عذاب آجائے گا) یہی ہوا چوتھا روز شروع ہونے پر آسمان و زمین سے گونج پیدا ہوئی، تھوڑی دیر میں غیر دلوں کے بھی دل پھٹ گئے۔ گھروں کے اندر مرے کے مرے رہ گئے۔ صالح اور ان کے ساتھیوں کو صرف نجات ملی اور وہ بھی بغیر استحقاق کے۔ محض اللہ کے فضل و کرم سے۔

مقصودِ بیان

حضرت صالح صرف اپنی قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اللہ کی الوہیت کی دلیل اس کی ربوبیت ہے۔ قوم کے مقابلے میں بھی حضرت صالح نے فرمایا چونکہ اللہ رب ہے، اس لئے توبہ بھی قبول فرمالیتا ہے۔ سب آدمی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔ یعنی غالب عنصر مٹی ہے۔ آیت دلالت کر رہی ہے کہ حضرت صالح نبوت سے پہلے بھی نیک قوم کے ہمدرد اور غریب پرور تھے۔ تقلید پرستی انسان کی آنکھوں کو اندھا کر دیتی ہے۔ آبا ؤ اجداد کے رسم و رواج کے مقابلے میں آدمی اس شفیق ناصح کی خیر خواہی سے بھی سرتابی کرتا ہے جس کی نیکی اور بھی خواہی مسلم الثبوت ہوتی ہے۔ غیر محسوس کی پرستش میں محسوس پرستوں کو ہمیشہ شکوک ہوتے ہیں۔ نبوت رحمتِ الٰہی ہے کسبی نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود بہت زیادہ ظاہر پرست قوم تھی اسی وجہ سے اونٹنی کی شکل میں معجزہ ان کے لئے پیش کیا گیا۔ آیات کے اندر اہلِ ایمان کے لئے خزانۂ نصیحت موجود ہے کہ اہلِ حق کا اتباع لازم ہے۔ سرکشی اور طغیان سے عذابِ الٰہی آتا ہے۔ بدکرداروں کو جہاں تک ممکن ہو نصیحت کی جائے۔ ایمان اور نیکوکاری دنیوی اور اُخروی نجات کا سبب ہے، مگر محض اللہ کے فضل و کرم سے بغیر کسی ایجاب و استحقاق کے وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ

اور ہمارے فرشتے ابراہیمؑ کے پاس خوش خبری لے کر پہنچے اور بولے سلام۔ ابراہیمؑ نے کہا سلام پھر تھوڑی دیر میں

جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ۝ فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ

ابراہیم ایک بھنا ہوا بچھڑا لے آئے لیکن جب دیکھا کہ اُن فرشتوں کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو متوحش ہوئے اور دل

مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ۝ وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ

میں کچھ ڈرے فرشتوں نے کہا آپ اندیشہ نہ کریں ہم کو قوم لوط کی جانب بھیجا گیا ہے اُس وقت ابراہیم کی بیوی کھڑی تھی

فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ۝ قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى

وہ ہنس پڑی ہم نے اُس کو اسحٰق کی اور اسحٰق کے بعد یعقوب کے پیدا ہونے کی بشارت دی وہ بولی ہائیں میرے

ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ۝ قَالُوْۤا

بچہ ہوگا حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرے شوہر بوڑھے ہیں واقعی یہ عجیب بات ہے فرشتے بولے

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ

کیا تم اللہ کے حکم پر تعجب کرتی ہو تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہیں بلاشبہ وہ سزاوار حمد اور بزرگی والا ہے۔

تفسیر اس مقام پر حضرت ابراہیمؑ کا قصہ مستقل طور پر نہیں بلکہ حضرت لوط کے قصے کے ذیل میں بیان فرمایا ہے۔ اسی لئے طرز بیان مستقل نہیں بیان فرمایا۔ حضرت نوح سے ۲۶۴۰ برس بعد حضرت ابراہیم ملک بابل میں مبعوث ہوئے۔ اس زمانے میں کلدانیوں کا بہت زور تھا۔ شاہ جبورابی کو زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا مفصل قصہ پہلے گزر چکا، اعادہ فضول ہے۔ آپ نے کفار کے مقابلے کے بعد فلسطین اور اطراف شام میں سکونت اختیار کی۔ ۱۷۵ برس دنیا میں رہے۔ آپ کے صاحبزادے اسحاق کی عمر ۱۸۰ سال کی ہوئی اور حضرت اسحاق کے بیٹے یعقوب کی عمر ۱۴۵ سال کی ہوئی حضرت لوط ابراہیم کے بھانجے یا بھتیجے تھے اور بابل سے آپ کے ساتھ آئے تھے۔ لوط بھی پیغمبر تھے، مگر حضرت ابراہیم کے تابع۔ حضرت لوط کی قوم دولت کے مرض میں مبتلا تھی۔ آپ نے نصیحت کی، نہ مانی تو عذاب کے فرشتے انسانی شکل میں نازل ہوئے، لیکن قوم لوط کو تباہ کرنے سے پہلے حضرت ابراہیم کی طرف آئے۔ آپ اس وقت باہر کھڑے تھے۔ سرشت میں مہمان نوازی تھی، اس لئے گھر میں لائے کھانا سامنے رکھا، مگر آدمی نما فرشتوں نے ہاتھ نہ بڑھایا آپ نے اس وقت تک نہ پہچانا تھا۔ بمقتضائے بشریت ملکی دستور کے مطابق دل میں اندیشہ پیدا ہوا کہ شاید یہ لوگ دشمن ہیں کسی بدی کے ارادے سے آئے ہیں، اسی لئے میرا کھانا نہیں کھانا چاہتے۔ اس وقت فرشتوں نے واقعہ کا اظہار کیا۔ حضرت سارہ بھی موجود تھیں۔ حضرت لوط اور ان کے ساتھیوں کی نجات کی خبر سن کر ہنس پڑیں۔ فرشتوں نے ان کو ایک سعادت مند ذی شان لڑکا ہونے کی بشارت دی اور نہ فقط لڑکا ہونے کی بلکہ پوتا ہونے کی بھی۔ حضرت سارہ کو تعجب ہوا پیرانہ سالی میں اولاد ہونا بھی واقعی عجیب ہے۔ فرشتوں نے قدرت الٰہی کا حوالہ دیتے ہوئے تعجب رفع کر دیا۔ فرشتوں کی تعداد کتنی تھی؟ اس میں اہل تفسیر کا اختلاف ہے۔ عطاء کے قول پر صرف جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل تھے۔ ضحاک نے نو کی تعداد ظاہر کی ہے۔ سدی نے گیارہ اور مقاتل

toobaafoundation.com

نے بارہ محمد بن کعب کے نزدیک آٹھ تھے۔ بہرحال بالاتفاق جبرئیل ضرور تھے۔

مسئلے آداب اسلام میں مذکور ہے کہ چھوٹا بڑے کو، کھڑا بیٹھے کو اور آنے والا کھڑے کو سلام کرے۔ چنانچہ فرشتوں نے حضرت ابراہیم کو سلام کیا، لیکن جملۂ فعلیہ استعمال کیا۔ حضرت ابراہیم نے سلام کا جواب دیا، مگر جملۂ اسمیہ استعمال کیا اور ظاہر ہے کہ جملۂ اسمیہ کسی زمانے کا محتاج نہیں اور فعل کے لئے اقترانِ زمانہ ضرور ہے۔ لہٰذا حضرت ابراہیم کا سلام فرشتوں کے سلام سے احسن ہوا۔ یہی قرآن کا حکم ہے۔

مقصودِ بیان ہر آدمی کو سلام کرنا چاہیئے خواہ جان پہچان ہو یا نہ ہو۔ فرشتے آدمی کی شکل اختیار کر سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ نبی اور ولی بعض غیبی مخلوق کو نہ پہچان سکیں۔ مہمان نوازی انبیاء کا شیوہ ہے۔ انسان فطرتاً (خواہ کتنا ہی عظیم المرتبہ ہو) خلافِ چیز کے ظہور پر تعجب کیا کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت سارہ کو بڑھاپے میں اولاد کی بشارت سن کر تعجب ہوا۔ اللہ ہر طرح قادر ہے۔ ظاہری اسباب نہ ہونے کی حالت میں بھی اپنی رحمت سے نواز سکتا ہے۔ نیک اولاد بھی اللہ کی رحمت ہے۔ حضرت ابراہیم کا سارا گھر بابرکت تھا۔ آیات میں درپردہ ایماء ہے کہ اللہ کی رحمت سے کسی وقت مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ نیکی کی کوشش کرنی چاہیئے اور خدا سے ہر وقت دعا کرتے رہنا لازم ہے وہ قادر برتر ہے، دعا قبول فرماتا ہے وغیرہ۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ ۝

غرض جب ابراہیم کا ڈر جاتا رہا اور خوش خبری پہنچ گئی تو وہ قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگے۔

إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ۝ يٰإِبْرٰهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هٰذَا إِنَّهُ قَدْ

بلاشبہ ابراہیم بردبار نرم دل (ہماری طرف) رجوع کرنے والے تھے (ہم نے کہا) ابراہیم یہ بات چھوڑو تمہارے رب

جَآءَ أَمْرُ رَبِّكَ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ۝

کا حکم آپہنچا اُن پر اٹل عذاب آنے والا ہے

تفسیر فرشتوں کے انکار سے حضرت ابراہیم کی جھجک دور ہوئی اور قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کی وعید سنی تو چونکہ آپ فطرتاً نرم خو واقع ہوئے تھے۔ کسی خطاکار کو فوری سزا دینا پسند نہیں کرتے تھے اور ہر معاملہ میں خلوص کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ اس لئے امید ہوئی کہ شاید میری سفارش سے اللہ اس عذاب کو ٹال دے اور قوم لوط کو ہدایت یاب ہونے کا موقع مل جائے۔ اس اُمید کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فرشتوں سے جھگڑا کرنے لگے اور سفارش پر اُتر گئے۔ فرشتوں نے کہا ہم اس بستی کے رہنے والوں کو ضرور برباد کر کے چھوڑیں گے۔ حضرت ابراہیم نے فرمایا وہاں اگر پچاس مسلمان ہوں تب بھی کیا تم ان کو تباہ کر دو گے؟ فرشتوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اگر چالیس ہوں؟ فرشتوں نے کہا نہیں۔ فرمایا اگر بیس ہوں؟ فرشتوں نے کہا نہیں۔ دس اور پانچ کے جواب میں بھی فرشتوں نے عذاب نازل کرنے سے انکار کر دیا تو آپ نے یہ یقین کرتے ہوئے کہ لوط تو ضرور مومن کامل ہے۔ فرمایا اگر ایک مومن ہو تب کیا کرو گے؟ فرشتوں نے کہا جب بھی ہلاک نہ کریں گے۔ فرمایا تو وہاں لوط موجود ہے۔ فرشتوں نے کہا ہم کو معلوم ہے کہ وہاں کون کون اہلِ ایمان ہے۔ ہم سب مومنوں کو بچالیں گے، صرف کافروں کو تباہ کر دیں گے آپ اب اس معاملہ میں کچھ نہ فرمائیے۔ جو عذاب آنا تھا آچکا اب لوٹایا نہیں جا سکتا۔

مقصودِ بیان پیغمبروں کو بھی کبھی باقتضائے بشری دشمنوں کی جھجک ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کا کامل یقین ہوتا ہے کہ سوائے خدا کے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ حضرت ابراہیم فطرتاً رحیم، مہربان، نرم دل، بردبار اور مخلص واقع ہوئے تھے پیغمبروں

toobaafoundation.com

کی سفارش گناہ گاروں کے حق میں جائز ہے حضرت ابراہیم کا مجادلہ جہالت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ مقام انبساط پر پہنچنے کی وجہ سے تھا۔ اسی لئے آپ نے گناہ گاروں کے حال پر شفقت فرماتے ہوئے سفارش فرمائی۔ جلیل الشان پیغمبر کی درخواست بھی قبول نہیں کی جاتی۔ قضائے مبرم کسی طرح نہیں پلٹ سکتی۔ اپنے وقت پر پوری ہو کر رہتی ہے وغیرہ۔

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ

اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو ان کی وجہ سے لوطؑ غمگین اور تنگدل ہوئے اور بولے یہ بڑا سخت

عَصِيبٌ ۝ وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ

دن ہے اور لوطؑ کے پاس اُن کی قوم دوڑتی ہوئی آئی اس سے پہلے یہ لوگ بدکاریاں کیا کرتے

السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ

تھے لوطؑ نے کہا اے میری قوم یہ میری بیٹیاں ہیں نہایت پاکدامن ہیں تمہارے لئے موجود ہیں تم اللہ سے ڈرو مہمانوں کے حق

فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَشِيدٌ ۝ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ

میں مجھے رسوا نہ کرو کیا تم میں سے کوئی بھی بھلا مانس نہیں ہے قوم والے بولے تم خوب واقف ہو کہ ہم کو تمہاری بیٹیوں کی

مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۝

کوئی حاجت نہیں اور جو ہماری غرض ہے اُسکو بھی خوب جانتے ہو

تفسیر حضرت ابراہیمؑ سے گفتگو کرنے کے بعد فرشتے سدوم کی آبادی کی طرف چلے۔ چار فرسنگ کا فصل تھا۔ نہر سدوم پر پہنچے۔ حضرت لوط کی بیٹی پانی بھر رہی تھی۔ لڑکی سے دریافت کیا کہ مسافروں کے ٹھہرنے کا کوئی ٹھکانا بھی یہاں ہے؟ لڑکی نے حضرت لوط سے آکر واقعہ بیان کیا۔ حضرت لوط جا کر پوشیدہ طور پر ان کو گھر لائے، مگر بہت دل تنگ تھے۔ اندیشہ تھا کہ اگر قوم والوں کو خبر ہوگئی تو سخت رسوائی اٹھانی پڑے گی۔ وہ کمبخت اپنی خصلت سے باز نہ آئیں گے۔ لوط کی بیوی نے اپنے مہمانوں کے حسن کی تعریف قوم والوں سے کی اور ان کو بلوایا۔ لوگ آکر حضرت لوط کے مکان پر جمع ہوگئے۔ اس کے آگے مطلب ظاہر ہے۔ دو باتیں بیان کرنا ضروری ہیں۔

(۱) حضرت لوط کی اپنی لڑکیاں تھیں جن کو قوم والوں کے نکاح میں دینا چاہتے تھے یا قوم کی لڑکیاں تھیں؟ اول قول عام مفسرین کا ہے ظاہر آیات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ قوم کافر تھی پھر کس طرح حضرت لوط نے اپنی بیٹیوں کا نکاح ان سے کرنا گوارا کیا۔ اس کا جواب ہے کہ آپ کو قوم کی ہدایت مقصود تھی، کفر و لواطت سے پاک کرنا غرض تھا۔ ہو سکتا ہے بلکہ اغلب ہے کہ آپ نے فرمایا ہو کہ کفر چھوڑ دو اور مسلمان ہو جاؤ لواطت سے توبہ کرو میری لڑکیوں سے نکاح کرلو۔ یہ فعل واقعی تمہارے لئے کامل ترین طہارت کا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت کی شریعت میں مسلمان عورت کا نکاح کافر مرد سے جائز ہو۔

لیکن قوی ترین قول مجاہد کا ہے کہ لوط کی کوئی بیٹی نہ تھی۔ چونکہ ہر نبی اپنی اُمت کا باپ ہوتا ہے اس لئے حضرت لوط نے اپنی قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں قرار دیا۔ ابن کثیر نے قتادہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ اس قول کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اگر حضرت لوط کی بیٹیاں تسلیم بھی

toobaafoundation.com

کرلی جائیں تو وہ چند ہوں گی اور قوم والوں کی تعداد بہت تھی۔ چند لڑکیوں کا سینکڑوں کے ساتھ نکاح کیسے ہوسکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ نے شفقتِ پیغمبری سے قوم کی بیٹیوں کو اپنی بیٹیاں قرار دیا تھا۔

(۲) حضرت لوط نے فرمایا هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ یعنی یہ لڑکیاں تمہارے لئے بہت پاک ہیں۔ شبہ ہوتا ہے کہ کیا یہ فعل لواطت سے بھی پاک تھا۔ حضرت لوط نے سلسلۂ ازدواجی کو اس کے مقابلے میں پاکیزہ تر فرمایا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ لوط کی قوم والے لواطت کو پاک فعل سمجھتے تھے۔ حضرت لوط ان کو سمجھانا چاہتے تھے کہ کمبختو! اپنی جہالت اور بیہودگی کچھ بھی سمجھو، لڑکوں سے فعل بد کو پاک جانو یا ناپاک بہرحال اتنا ضرور ہے کہ لواطت سے جماع زیادہ پاک فعل ہے پھر صحیح بات کیوں نہیں مانتے۔

مقصودِ بیان کسی کے مہمانوں کی رسوائی درحقیقت میزبان کی رسوائی ہے۔ مہماں نوازی پیغمبرانہ شیوہ ہے۔ امرد نما فرشتوں کو مہمان رکھنے سے حضرت لوط پریشان اور تنگ دل ضرور ہوگئے تھے۔ حضرت لوط نے فرشتوں کو شروع میں نہیں پہچانا تھا۔ لواطت نجس فعل ہے۔ پیغمبر اُمت کا باپ ہوتا ہے۔ ازلی بدبختوں کو دانشمندی کی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی وغیرہ۔

قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ۝ قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ

لوط نے کہا کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا کسی زبردست سہارے کی پناہ مل جاتی مہمانوں نے کہا لوط! ہم تمہارے رب کے فرشتے ہیں

لَنْ يَصِلُوا إِلَيْكَ ۖ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ أَحَدٌ

ان لوگوں کی رسائی تم پر نہ ہوسکے گی تم کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لے جاؤ اور تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے

إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ

ہاں تمہاری بیوی ضرور مڑ کر دیکھے گی اُس پر بھی وہی عذاب آئے گا جو اُن پر آئے گا ان کا وقت مقرر صبح ہے کیا صبح

بِقَرِيبٍ ۝ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً

قریب نہیں ہے غرض جب ہمارا عذاب آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو زیر زبر کردیا کنکر ملے پتھر ان پر تہ بہ تہ

مِنْ سِجِّيلٍ مَنْضُودٍ ۝ مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ع

برسائے جن پر خدا کی طرف سے نشان کردیئے گئے تھے اور وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دور بھی نہیں ہے

تفسیر حضرت لوط کی بیوی نے چھت پر چڑھ کر یا باہر نکل کر خوبصورت مہمانوں کے آنے کی اطلاع قوم کو پہنچادی اور قوم والے دوڑتے آئے تو حضرت لوط نے دروازہ بند کرلیا اور خود دروازے کے باہر لوگوں کو سمجھانے اور روکنے لگے۔ لوگوں نے ایک نہ مانی۔ دروازہ نہ کھلا تو دیواروں سے چڑھنے لگے۔ حضرت لوط مضطرب ہوکر کہنے لگے کاش مجھ میں بذاتِ خود تمہاری مدافعت کی قوت ہوتی یا میرا خاندان یہاں موجود ہوتا تاکہ تم کو دور کرسکتا۔ وجہ یہ تھی کہ سدوم کے باشندے اگرچہ تعداد میں چار لاکھ تھے، مگر حضرت لوط کا رشتہ دار کوئی نہ تھا۔

امام نووی نے رکن شدید سے ذاتِ الٰہی مراد لی ہے مگر یہ تفسیر غلط ہے۔ سیاقِ آیات کے بھی خلاف ہے اور حدیث کے بھی۔ ابوہریرہ کی روایت سے ثابت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت لوط کے اس قول کو قابلِ استغفار قرار دیا تھا اور فرمایا تھا۔ رَحِمَ اللّٰهُ لُوطًا إِنْ كَانَ يَأْوِي

toobaafoundation.com

الیٰ رکن شدید ہے۔ اگر ذاتِ الٰہی مراد لی جائے تو پھر قابلِ استغفار اس قول کو کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔

عذاب کا وقت آیا تو فرشتوں نے کل بستی کی زمین بالکل اُلٹ دی ہر ٹکڑے کو زیر زبر کر دیا۔ یہ پانچ بستیاں تھیں۔ سب سے بڑی آبادی سدوم کی تھی۔ کل بستیوں کو مؤتفکات کہا جاتا ہے۔ زیر زبر کرنے کے بعد اس زمین پر پتھر یا کنکر یا اینٹوں کی بارش ہوئی۔ حسن بصری اور سدی کا قول ہے کہ ہر پتھر پر مہر سی لگی تھی۔ قتادہ، عکرمہ اور دیگر کا قول ہے کہ ہر پتھر پر سرخ و سیاہ لکیریں تھیں۔ ابن جریج کہتے ہیں کہ پتھروں پر ایک خاص نشانی تھی جس سے واضح طور پر شناخت ہو سکتی تھی کہ یہ زمین کے پتھر نہیں ہیں۔ آیات کا مطلب واضح ہے۔

مقصودِ بیان جسمانی طاقت بھی عجیب چیز ہے۔ حضرت لوطؑ کے مکاشفات کا سلسلہ اس وقت بند تھا، اس لئے فرشتوں کو نہ پہچان سکے اور ظاہری اسباب کی طرف نظر دوڑائی، جسمانی قوت اور خاندانی طاقت کی تمنا کی۔ آیت سے در پردہ یہ امر مستنبط ہوتا ہے کہ نزولِ عذاب کا وقت صبح کا تھا۔ گویا رحمت اور عذاب دونوں صبح کے قریب نازل ہوتے ہیں۔ بدکاروں کی تباہی کو مُنہ موڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہیئے۔ جہاں تک ممکن ہو عذاب سے جلد از جلد بھاگنا لازم ہے۔ لواطت سخت ترین جرم ہے جس کی سزا بھی بہت اہم ہے۔ کم از کم پتھروں سے مارنا اور ہلاک کرنا چاہیئے۔ موجودہ مسلمانوں کے لئے قصۂ لوطؑ میں درسِ عبرت پوشیدہ ہے۔ قوم لوطؑ کی بستیوں کو اُلٹ دینے سے اس طرف اشارہ ہے کہ وہ بھی وضعِ فطرت کے خلاف عمل کرتے تھے۔ لواطت عکسِ فطرت ہے۔ لہٰذا خدا نے بھی دنیا ہی میں ان کی آبادیوں کو اُلٹ دیا وغیرہ۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ وَلَا

اور اہل مدین کی جانب ہم نے اُن کے بھائی شعیب کو بھیجا شعیب نے کہا اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور

تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ

ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں تم کو (اس وقت) آسودہ دیکھ رہا ہوں مگر ایک احاطہ کُن دن کے عذاب سے اندیشہ

يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ۝ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

کر رہا ہوں اے میری قوم انصاف سے پوری ناپ تول کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم

اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ

نہ دیا کرو اور زمین پر فساد پھیلاتے مت پھرا کرو اگر تم ایماندار ہو (تو سمجھ لو) اللہ کا حلال

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ۵ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝

نفع تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں

تفسیر یہ پانچواں واقعہ قوم مدین کا ہے۔ مدین قوم کا بھی نام ہے اور شہر کا بھی اور حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے کا بھی۔ مقریزی نے خطط میں لکھا ہے کہ قوم مدین مدیان بن ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔ مدیان کی بیوی قنطورا بنت یقطان کنعانیہ تھی۔ بحر قلزم کے کنارے تبوک کے محاذ پر چھ منزل کے فاصلے پر قوم مدین آباد ہوئی تھی۔ اس بستی کو مدین کہا جاتا تھا۔ ابن کثیر نے بیان کیا کہ مدین عرب کا ایک قبیلہ تھا جو حجاز و شام کے درمیان آباد تھا انھیں کے مسکن کو مدین کہا جاتا تھا۔ بہر حال جب اس قوم کی بدکاری حد سے بڑھ گئی۔ شرک اور فسق و فجور رہزنی اور ناپ تول میں کمی کرنے

toobaafoundation.com

حضرت شعیب کو نبی بنا کر اصلاح پر مامور فرمایا۔ حضرت کی یہ قوم خوگر ہو گئی اور اللہ کی آبادزمین میں تباہی و فساد سے بھر گئی تو انہیں میں سے خدا تعالیٰ نے حضرت شعیب نے توحید کا اعلان کیا، شرک سے منع کیا، ناپ تول پورا کرنے کی ہدایت کی، رہزنی اور تباہ کاری کی ممانعت کی، یہ بھی فرمایا کہ اس وقت تم لوگ خوش حال اور آسودہ ہو۔ تم کو اس بے ایمانی کی ضرورت نہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں عذاب الٰہی نہ نازل ہو جائے، لیکن قوم پر کوئی اثر نہ ہوا۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ

قوم والوں نے کہا شعیب! کیا تمہاری نماز تم کو یہ بات سکھاتی ہے کہ ہم اُن چیزوں کی عبادت چھوڑ بیٹھیں جن کی پرستش ہمارے

فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ○

باپ دادا کرتے رہے ہیں یا اپنے مال میں حسبِ منشا تصرف نہ کر سکیں تم ہی تو بڑے بُردبار نیک چلن ہو

تفسیر توحید اور اصلاحِ عمل کی ہدایت سے سرتابی کی توحید کے مقابلے میں قدیمی رسم و رواج کو ترجیح دی اور بآسانی دستور العمل کو ترک کرنے پر رضامند نہ ہوئے ناپ تول میں کمی کرنے کو جائز تصرف مالی سمجھے اور اس کی بندش کو حقوقِ نجات کی بندش خیال کیا اور بقول ابن عباس (مذاحیہ لہجہ میں) بولے کیا تمہاری نماز ہم کو یہ بات سکھاتی ہے کہ ہم چیزوں کی عبادت چھوڑ بیٹھیں جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کرتے رہے ہیں۔ یا اپنے مال میں حسبِ منشا تصرف نہ کر سکیں۔ تم تو بڑے نیک اور سیدھے سادے آدمی ہو۔ تجارتی رنگ سے واقف نہیں۔

مقصودِ بیان حضرت شعیبؑ نے اصلاحِ عمل سے پہلے توحید کی تبلیغ کی اور درستگیٔ عمل کو ایمان پر مشروط کیا۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شرعی طور پر کوئی نیکی بغیر ایمان و توحید کے قابلِ قبول نہیں۔ جن لوگوں کے دماغ مسخ ہو جاتے ہیں اور دلوں پر زنگ آ جاتا ہے وہ اصلاحی اقدامات و قوانین کو آزادی کی بندش سمجھتے ہیں۔ قوم شعیبؑ نے بھی صحیح وزن و پیمائش کی ہدایت کو تجارتی آزادی کے لئے روک سمجھا۔ رسم و رواج اور باپ دادا کا دستور العمل انسان کو عقل و بصیرت کی بات سے روکتا ہے۔ قانونِ عدل کے خلاف کام کرنا زمین پر تباہی پھیلانے کا سبب ہے۔ آیت وَلَا تَعْثَوْا سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ قوم شعیبؑ مرفہ الحال تھی۔ پورے قصہ سے یہ امر بھی مستفاد ہوتا ہے کہ نبی کا کام فقط عقائد اور عبادات کی ہی اصلاح نہیں بلکہ سوشل اور کمرشیل اصلاح کے قوانین قائم کرنا اور ان پر کاربند ہونے کی ہدایت کرنا بھی فرائضِ نبوت میں سے ہے وغیرہ۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ

شعیب نے کہا اے میری قوم! میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر قائم ہوں (اسی) نے مجھ کو اپنی طرف سے اچھی روزی عطا کی ہے

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰي مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ

اور میں نہیں چاہتا کہ تمہارے برخلاف خود وہ کام کروں جس سے تم کو منع کرتا ہوں تو بقدرِ امکان درستگیٔ حالت ہی چاہتا ہوں

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ۭ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ○ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ

اور مجھے توفیق صرف اللہ ہی کے فضل سے ہے اُسی پر میرا بھروسہ ہے اور اُسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں اے میری قوم میری مخالفت کہیں تمہارے لئے

toobaafoundation.com

اَنۡ یُّصِیۡبَکُمۡ مِّثۡلُ مَاۤ اَصَابَ قَوۡمَ نُوۡحٍ اَوۡ قَوۡمَ ہُوۡدٍ اَوۡ قَوۡمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوۡمُ لُوۡطٍ مِّنۡکُمۡ

اس بات کی باعث نہ ہوجائے کہ جیسے قوم نوح یا قوم صالح پر عذاب آپڑا تھا تم پر بھی ویسے ہی آپڑے اور لوطؑ کی قوم بھی تم سے

بِبَعِیۡدٍ ﴿۸۹﴾ وَ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ رَحِیۡمٌ وَّدُوۡدٌ ﴿۹۰﴾

دور نہیں ہے تم اپنے رب سے توبہ استغفار کرو بیشک میرا رب مہربان اور بڑی محبت کرنے والا ہے

تفسیر کسی ریفارمر اور مصلح کے پیامِ ہدایت کے متعلق بد باطن کور بصیرت طبقہ کو چار قسم کے شبہات ہوا کرتے ہیں۔ اول تو یہ کہ یہ شخص ہماری طرح ہے۔ اس میں کون سا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے کہ یہ ہم کو ہدایت کرتا ہے۔ بلا وجہ ہمارے آباؤ اجداد کے دستور العمل کو ترک کراتا اور سب کے مقابلے میں اپنی صداقت کا اعلان کراتا ہے۔ دوئم یہ کہ اس نے رہبری اور لیڈری کا جامہ صرف کھانے پینے کے لئے پہنا ہے۔ ہم سے نذرانے اور تحائف وصول کرنا چاہتا ہے اور بغیر محنت کے ہماری گاڑھی کمائی پر ہاتھ صاف کرنے کا خواستگار ہے۔ سوئم یہ کہ اس کی عملی زندگی خود ہی قول کے مطابق نہیں۔ منبر اور اسٹیج پر کھڑے ہو کر جن باتوں سے ہم کو روکتا ہے خلوت خانۂ خاص میں ان ہی کا ارتکاب کرتا ہے پھر ہم اس کے قول کو کیوں مانیں؟ ہم کو تو نمونۂ عمل کی ضرورت ہے نہ کہ منافق رہنما کی۔ چہارم یہ کہ اگر دو چار دس بیس آدمیوں کی اس اصلاحی تحریک کو مان بھی لیا تب بھی کیا ہوگا، کوئی نتیجہ نہ نکلے گا۔ لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو یہ کیسے راہِ راست پر لا سکتا ہے۔ نقارخانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کے قول پر بھی کفار کی طرف سے یہی شبہات ہوتے تھے، اس لئے آپ نے تفصیل وار سب کے جوابات دے دیئے۔ پہلے شبہ کے جواب میں فرمایا برادرانِ قوم تم میری ظاہری حالت دیکھ کر اور قومی نسبی تعلقات کو پیشِ نظر رکھ کر میرے قول کی صداقت میں شک نہ کرو۔ پروردگار نے حجت واضحہ، روشن دلیل اور برہان نمایاں عطا فرمائی ہے۔ میرے پاس غیب سے وحی آتی ہے۔ تم مجھے بے وقوف اور سیدھا سادہ آدمی سمجھتے ہو یہ تمہاری غلطی ہے۔ جو بصیرت و بینائی مجھے حاصل ہے وہ تم کو حاصل نہیں۔ حق تعالیٰ کی طرف سے مجھے نورِ یقین اور علم وہبی میسر ہے، اس لئے میں اپنی صداقت کا اعلان کر رہا ہوں۔ دوسرے شبہ کے جواب میں فرمایا مجھے پروردگار نے خزانۂ غیب سے رزقِ وسیع عطا فرمایا ہے۔ فراخ دست اور مرفہ الحال بنایا ہے۔ مجھے تمہارے مال کی کوئی ضرورت نہیں نہ تم سے مجھے کوئی لالچ ہے۔ تیسرے شبہ کے جواب میں فرمایا میرا چال چلن تمہارے سامنے ہے۔ اگر میں تم کو ٹیڑھا راستہ دکھاتا تو خود اس پر نہ چلتا۔ میں ایسا نہیں ہوں کہ خود چھپ کر یا اعلانیہ ایک کام کروں اور تم کو اس سے منع کروں۔ میرا ظاہر و باطن ایک ہے۔ جس چیز کے باطل ہونے کا اعلان کرتا ہوں اس سے خود بھی پرہیز کرتا ہوں اور اپنی زندگی کو تمہارے لئے نمونۂ عمل بناتا ہوں۔ چوتھے شبہ کا ازالہ اس طرح فرمایا کہ میرا اعتماد تو محض ذاتِ الٰہی پر ہے۔ مبداء اور معاد پر مجھے کامل یقین ہے۔ جہاں تک میرے امکان میں ہے اصلاح کی کوشش کرنا میرا فرض ہے اور کوشش کی کامیابی اور ناکامی بھی اللہ کے دستِ قدرت میں ہے۔ کثرت و قلت کا یہاں کچھ سوال ہی نہیں۔ نہ کثرت سے مجھے خوف ہے نہ قلت کی طرف خاص میلان۔ اپنا فرض ادا کرنا مقصود ہے اور چونکہ محض ذاتِ الٰہی پر بھروسہ ہے۔ اگرچہ کوشش محدود ہے اس لئے عام اصلاح کی یقینی امید ہے نہ کسی کی موافقت پر تکیہ ہے نہ مخالف کا خوف۔ مطمحِ امید صرف ذاتِ واحد ہے۔ اس سے آگے صرف ترہیبی اور ترغیبی کام ہے۔

مقصودِ بیان کسی کی ظاہری مساوات دیکھ کر اس کے باطن کو حقیر نہ سمجھنا چاہیئے۔ اہلِ باطن اپنی بیرونی حالت دوسرے معمولی آدمیوں کی طرح رکھتے ہیں، لیکن ان کے دل نورِ ازلی سے روشن اور ان کے دماغ علومِ یقینیہ کے مسکن ہوتے ہیں جو حقایق اور اصلاحی امور پیغمبر کو دیکھتے ہیں وہ دوسروں کو دکھائی نہیں دیتے۔ رہنما کو لالچ اور خوف سے آزاد ہونا چاہیئے۔ پیٹ پال لیڈر اور تن پرور پیر ہدایت نہیں کر سکتے۔ ان کو قوم کا رہنما بننے کا کوئی حق نہیں ہے۔ رہبری کا کوئی معاوضہ جائز نہیں۔ ریفارمر کی عملی زندگی بھی قول کے مطابق ہونی چاہیئے مگر مرکزِ امید ذاتِ الٰہی کو ہی سمجھنا چاہیئے۔ بغیر توفیقِ الٰہی کے کوئی کوشش نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ اگر کوشش محدود بھی ہو، مگر بھروسہ اللہ کی ذات پر ہو۔

toobaafoundation.com

کامیابی کا یقین رکھنا چاہیئے۔ درپردہ آیت میں ایماء اس طرف بھی ہے کہ اندھا دھند توکل درست نہیں۔ ہاتھ پاؤں توڑ کر اور زبان کاٹ کر گوشہ نشین ہو جاتا اور پھر اللہ پر بھروسہ رکھنا کسی طرح روا نہیں ہے کوشش شرط ہے۔ جہاں تک ممکن ہو کوشش کی جائے۔ لیکن آغاز و انجام کا مالک اللہ ہی کو جاننا چاہیئے۔ دنیوی طاقت پر بھروسہ یا اس سے خوف حق بین نظر والے کے لئے جائز نہیں۔ صرف ذاتِ خداوندی کو اپنی کوشش کا مرکز سمجھنا چاہیئے وغیرہ۔

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِیْنَا ضَعِیْفًا ۚ وَ لَوْ لَا

قوم والے بولے اے شعیب! ہم تمہاری باتوں کا بہتیرا حصہ نہیں سمجھتے اور ہم اپنے اندر تم کو کمزور جانتے ہیں اگر تمہاری

رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَیْنَا بِعَزِیْزٍ ۝ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَهْطِیْۤ اَعَزُّ عَلَیْكُمْ

برادری نہ ہوتی تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے اور تم ہمارے نزدیک باعزت نہیں ہو شعیب نے کہا اے میری قوم کیا میری برادری تمہارے نزدیک

مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِیًّا ؕ اِنَّ رَبِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ ۝

اللہ سے زیادہ قابلِ لحاظ ہے اور اللہ کو تم نے پس پشت ڈال دیا جو کچھ تم کر رہے ہو میرا رب اس کو گھیرے ہوئے ہے

تفسیر باطل پرست کور دانش طبقہ کو جب کوئی دانش و عقل کا جواب بن نہیں پڑتا تو وہ جہالت پر اُتر آتا ہے اور بصیرت آمیز مناظرہ سے بھاگ کر مجادلہ پر پہنچ جاتا ہے۔ قوم شعیبؑ نے بھی ایسا ہی کیا۔ پیغمبر کے پرحکمت بلیغ کلام کا مقابلہ جب دلائل سے نہ کر سکے تو جاہلانہ طرز گفتگو اختیار کیا۔ بولے شعیبؑ تیری بکواس کا بیشتر حصہ لایعنی ہے تیری یہ بیہودہ گوئی ہماری سمجھ میں نہیں آتی۔ تیرے خاندان والے ہمارے ساتھ ہیں۔ تُو تنِ تنہا ہے یا بمدد گار ہے۔ تیرے خاندان کا خیال ہے کیوں کہ وہ ہمارا دوست اور ہمارا ساتھی ہے۔ ورنہ اب تک ہم نے پتھروں کی مار سے تیرا ڈھیر کر دیا ہوتا۔ ہم تیری طاقت سے مرعوب نہیں صرف تیرے کنبہ والوں کا پاس لحاظ ہے۔ حضرت شعیبؑ نے فرمایا برادرانِ قوم تم عجیب کوتاہ فہم ہو۔ تمہارے نزدیک میرے کنبہ والے اللہ سے زیادہ باعزت اور طاقتور ہیں۔ تم نے کنبہ والوں کا تو پاس لحاظ کیا اور اللہ کی قدرت و طاقت اور عزت و اکرام کو پس پشت ڈال دیا۔ یاد رکھو اللہ کی گرفتاری سے چھوٹ نہیں سکتے تمہارے کرتوت کا خدا کو پورا علم ہے۔

حضرت علیؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا قسم ہے اس خدائے برتر کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ قوم شعیبؑ نے جلالِ الٰہی سے تو خوف نہیں کیا بلکہ پیغمبر کے کنبہ والوں سے ڈرے۔

نحاس اور زجاج کے قول کے مطابق ضعیف کے معنی نابینا کے ہیں۔ کیونکہ حضرت شعیبؑ کثرتِ گریہ سے نابینا ہو گئے تھے۔ سعید بن جبیر اور شداد بن اوس کی روایت کردہ احادیث سے یہی ثابت ہوتا ہے (اخرجہ ابن عساکر والواحدی) لیکن عام مفسرین نے اس معنی کو غلط قرار دیا ہے۔ علی بن عیسیٰ، بیضاوی، سیوطی، ابن کثیر، رازی اور دیگر محققین کے نزدیک ضعیف کے وہی معنی مراد ہیں جو عام متبادر ہیں۔

مقصودِ بیان کور دانش طبقہ دلائل سے عاجز ہو کر جاہلانہ حرکات اور مضلانہ دستور کو اختیار کرنے لگتا ہے۔ حضرت شعیبؑ کا طرز خطابت نہایت بلیغ اور پرحکمت تھا۔ پوری قوم کو کوئی جواب بن نہیں پڑتا تھا۔ کوتاہ فہم لوگوں کی نظر ظاہری تعلقات اور بیرونی اسباب پر ہوتی ہے۔ اُن کی رُوحانی بینائی زائل ہو چکی ہے، اس لئے باطنی حقائق سے واقف نہیں ہوتے۔ چند افراد کی طاقت خدا کی طاقت سے بڑھ کر سمجھتے ہیں۔ بلکہ خدا کا نام اور اس کی جلالی صفات کا نشان ان کے دلوں سے محو ہو جاتا ہے۔ خالق کے رشتہ سے زیادہ مخلوق کے رشتہ کا ان کو پاس لحاظ ہوتا ہے۔ آیت سے ضمنی طور پر یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ اللہ کے حقوق کے مقابلے میں مخلوق کے کسی تعلق کی پرواہ نہ کرنی چاہئے اور نہ خدا کی طاقت کے مقابلے میں مخلوق کی

toobaafoundation.com

طاقت کو سمجھنا چاہیئے وغیرہ۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

اے میری قوم تم بھی اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں بھی کر رہا ہوں عنقریب جان لوگے کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آئے گا

وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۝ وَلَمَّا جَاۗءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا

اور کون جھوٹا ہے تم منتظر رہو میں تمہارے ساتھ منتظر ہوں غرض جب ہمارا عذاب آپہنچا تو ہم نے اپنے فضل سے

وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ

شعیب کو اور اس کے ہمراہی مسلمانوں کو بچالیا اور ان ظالموں کو ایک چیخ نے پکڑ لیا جس کی وجہ سے وہ اپنے گھروں

دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۝ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۝ ع ۱۲/۸

میں اوندھے ہو کر گر پڑے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کبھی وہاں رہتے ہی نہ تھے خوب سن لو جس طرح ثمود پر پھٹکار پڑی ویسے ہی مدین والوں پر لعنت

تفسیر جب حضرت شعیبؑ کو یقین ہو گیا کہ یہ قوم اپنی بداعمالیوں پر قائم رہے گی اور آباؤ اجداد کے مسلک سے ہٹے گی تو انہوں نے برأت اور تنبیہ و وعید کے طور پر فرمایا لوگو جب نہیں مانتے تو جو کچھ تمہارا دل چاہے کئے جاؤ میں جو کچھ کر رہا ہوں اس پر قائم رہوں گا۔ چونکہ قوم نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم تمہاری بہت سی باتوں کو نہیں سمجھتے اور یہ بھی کہا تھا کہ تمہارے خاندان کا پاس لحاظ ہے ورنہ تمہاری کیا حقیقت تھی۔ اب تک سنگسار کر دیا ہوتا، اس لئے آپ نے فرمایا میری طاقت اور کمزوری کا علم اور اپنے افعال کا نتیجہ بد ابھی چند روز میں تم پر ظاہر ہو جائے گا۔ اس سے آگے مطلب صاف ہے۔

خاص نوٹ سورۂ اعراف و عنکبوت میں مذکور ہے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ یعنی قوم شعیبؑ پر زلزلہ آیا اور اس جگہ مذکور ہے کہ سخت چیخ کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے۔ ان دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، لیکن واقع میں توافق ہے کیوں کہ زلزلہ ضرور آیا تھا اور زلزلے کے ساتھ ایک غیبی کرخت گرج دار آواز بھی تھی جس کی وجہ سے جو جس جگہ تھا وہیں مرا رہ گیا، ہل جل نہ سکا۔

ایک امر یہ بھی جان لینا ضروری ہے کہ قوم شعیبؑ اور اصحاب الایکہ دونوں ایک ہی قوم تھے۔ اصحاب الایکہ پر آسمان سے آگ برستی تھی جس کو عذاب ظلہ کہا جاتا ہے اور قوم شعیبؑ زلزلہ اور رجفہ کے عذاب میں مبتلا ہوئی۔ اس بنا پر اصحاب الایکہ قوم شعیبؑ نہیں قرار پا سکتے، لیکن یہ بھی کسی قدر کوتاہ فہمی ہے۔ کیونکہ خاص شہر مدین کے رہنے والے تو زلزلہ اور رجفہ سے ہلاک ہوئے تھے اور شہر کے چاروں طرف رہنے والے اصحاب الایکہ کہلاتے تھے۔ ان پر عَذَابُ الظُّلَّةِ آیا تھا، لیکن تھے دونوں گروہ حضرت شعیبؑ کی اُمت کے۔

مقصود بیان آیت میں درپردہ ہدایت ہے کہ بدکاروں کی بدکاریاں دیکھ کر ان کو انتہائی مذمت کی جائے۔ اگر وہ کسی طرح نہ مانیں تو ان سے اظہار برأت کر دیا جائے۔ ناپ تول میں کمی کرنی سخت ترین عذاب کا سبب ہے۔ اس سے بڑی بڑی قومیں ہلاک ہو گئیں ہیں۔ عذاب صرف ظالموں پر ہوتا ہے۔ اہل عدل کو خدا تعالیٰ اپنی رحمت و کرم کی وجہ سے عذاب سے محفوظ رکھتا ہے وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۙ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا

ہم نے موسیٰ کو اپنے معجزات اور واضح دلیلیں دے کر فرعون اور اُس کے حکام کے پاس بھیجا تھا مگر فرعون کے کہنے پر

اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۝ يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

چلے حالانکہ فرعون کی بات ٹھیک نہ تھی قیامت کے دن وہ قوم کے آگے آگے ہوگا

فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۝ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً

اور سب کو دوزخ میں اُتار دے گا اور وہ بُری جگہ ہے جس پر اُن کو اُتارا جائے گا اس دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی اُن

وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۝

کے پیچھے لعنت لگادی گئی یہ بُرا انعام ہے جو اُن کو دیا گیا

تفسیر آیات کا تفسیری مطلب بیان کرنے سے پہلے چند الفاظ کے مرادی معنی کی تحقیق ضروری ہے۔ (۱) آیات اور سلطان مبین سے کیا مراد ہے؟ مفسر فتح البیان اور بیضاوی کے ایک قول پر آیات سے مراد توریت ہے، لیکن یہ قول غلط ہے کیونکہ آیت میں فرمایا ہے کہ ہم نے فرعون اور اس کے گروہ کے پاس موسیٰؑ کو آیات لے کر بھیجا۔ اب اگر آیات سے توریت مراد لی جائے تو لازم آتا ہے کہ حضرت موسیٰ جس وقت رسول اللہ بنا کر فرعون کے پاس بھیجے گئے تھے اُس وقت آپ کے پاس توریت موجود ہوتی۔ حالانکہ ایسا نہ تھا۔ توریت تو بہت بعد طور پر آکر ملی تھی۔

مفسر سراج نے آیات سے معجزات مراد لئے ہیں۔ ابن کثیر کے نزدیک کُلی نشانیاں مراد ہیں۔ رہی یہ بات کہ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ سے کیا مراد ہے؟ سلطان غلبہ کو کہتے ہیں۔ غلبہ سے کس قسم کا غلبہ مراد ہے؟ اکثر اہل تفسیر نے غلبہ سے حجت اور واضح دلیل برہان قطعی ناقابل مغلوبیت ثبوت مراد لیا ہے۔ اس صورت میں شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیات اور سلطان مبین میں کیا فرق ہوگا؟ اس کا ازالہ یہ ہے کہ معجزات دو طرح کے ہو سکتے ہیں۔ ایک تو وہ جس کو دیکھ کر معمولی سمجھ رکھنے والے کو غلطی کا شبہ ہو سکتا ہے۔ دوسری قسم وہ جس کو معمولی آدمی بھی شک کی نظر سے نہ دیکھ سکے۔ روشن دماغ اور کوتاہ بصیرت ہر دو فرقوں کے نزدیک اُس معجزہ کی صداقت ناقابل شبہ ہو۔ آیات سے معجزات کی اوّل قسم مراد ہو اور سلطان مبین سے دوسری قسم۔

میرے نزدیک بہتر جواب یہ ہے کہ آیات اور سلطان مبین دونوں سے معجزات ہی مراد ہیں، لیکن مختلف اعتبارات اور جدا جدا حیثیات کے پیش نظر لفظ اٰيٰتِنَا سے اس طرف اشارہ ہے کہ معجزات موسیٰ ہماری قدرت، عظمت، ربوبیت والوہیت کی واضح نشانیاں تھیں اور سلطان مبین سے ملکی اور قومی فتح مراد لی ہے۔ واللہ اعلم۔

(۲) رِفْد مَرْفُوْد۔ بقول کلبی رفد کے معنی زیادتی کے ہیں یعنی لعنت در لعنت بہت بُری چیز ہے۔ ابن کثیر نے اسی معنی کو پسند کیا ہے۔ مجاہد نے فرمایا کہ قیامت کے روز ان کے واسطے ایک لعنت کا اضافہ کیا گیا تو دو ملعنتیں ہو گئیں۔ علی بن طلحہ نے ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد دنیا و آخرت کی لعنت ہے۔ ضحاک و قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

(۳) وِرْد کہتے ہیں گھاٹ کو۔ اَوْرَدَ کے معنی ہیں گھاٹ یا پانی پر اُتارنے کے۔ اس لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگرچہ بظاہر فرعون نے اپنے ساتھ والوں کو بحر قلزم میں اتارا تھا، لیکن درحقیقت پانی میں نہ اُتارا تھا آگ میں داخل کیا تھا۔ پانی میں غرق کرا کے آگ میں پہنچا دیا۔

toobaafoundation.com

اب ہم تفسیری مطلب کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جب خداتعالیٰ نے افرادِ انسانی کی ہدایت کے لئے مختلف زمانوں میں نوحؑ، ہودؑ، صالحؑ، ابراہیمؑ، لوطؑ اور شعیب علیہم السلام کو مبعوث فرمایا اور ہر پیغمبر کو نبوت کے ثبوت کے لئے کوئی نہ کوئی معجزہ بھی عطا فرمایا تو لوگوں نے سب کی تکذیب کی محسوس پرستی کی طرف مائل رہے۔ غیر محسوس خدا اور غیبی عقائد سے پرہیز کیا۔ بالآخر خدا نے ان کو ہلاک کیا۔ چونکہ ہر نبی کو مخصوص اور قلیل معجزات عطا کیے گئے تھے، اس لئے خیال ہو سکتا تھا کہ ان معجزات کو نہ ماننے والے ممکن ہے بے قصور ہوں۔ یہ کیا ضرور ہے کہ ہر شخص کا دماغ صرف ایک معجزہ دیکھ کر پیغمبر کی صداقت کا یقین کر لے۔ خدا نے اتمامِ حجت کیوں نہ کیا اور کیوں ہر ایک پیغمبر کو متواتر بکثرت معجزات عطا نہ فرمائے جس سے کم فہم طبقہ کو بھی ہدایت ہو سکتی۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کا قصہ شروع فرمایا اور ان الفاظ میں بیان کیا جن سے کوئی شبہ باقی نہ رہ سکے۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ فقط یہی نہیں کہ ہم نے نوح، ہود، صالح وغیرہم کو ایک ایک معجزہ دے کر اقوام کی ہدایت کے لئے بھیجا بلکہ ایسا بھی ہوا کہ ایک پیغمبر کو بکثرت دلائل نبوت اور براہین توحید عطا فرما کر مبعوث کیا، مگر سرکش باغیوں نے پھر بھی نہ مانا۔ دیکھو موسیٰ کو مختلف نشانیاں، دلائل توحید اور براہین نبوت دے کر ہم نے مبعوث کیا تاکہ وہ فرعون اور اس کے گروہ کو ہدایت کریں، مگر کسی نے موسیٰ کی نہ سُنی۔ فرعون کے نقشِ قدم پر چلے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں فرعون ہلاک ہوا وہاں اس کے طریقے پر چلنے والے بھی غارت ہو گئے۔ کیونکہ فرعون کا مسلک غلط تھا۔ دنیا میں بھی وہ سب قوم کا پیشوا تھا اور قیامت کے دن وہ تمام قوم کا پیشوا ہوگا۔ رسوائی کا جھنڈا اس کے ہاتھ میں ہوگا اور کل پیروی کرنے والے اس کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ جاہلیت کے شاعروں کا علم بردار امرء القیس ہوگا۔ (رواہ احمد)

مقصودِ بیان

مذکورہ ساتوں قصص کے بیان میں اصل اشارہ اس طرف ہے کہ سُننے والوں کو عبرت حاصل ہو۔ اہلِ حق اپنے خالق کی الوہیت، ربوبیت اور قدرت کو پہچانیں، اہلِ حال مقاماتِ اسرار سے واقف ہوں، سرکشوں کا نتیجۂ بد نظروں کے سامنے آجائے اور فرماں برداروں پر جو کچھ فیضانِ انعام ہوا اُس کو شش کر ایمان و نیکی کی طرف رغبت ہو۔ حضرت موسیٰؑ کے واقعات سے خصوصیت کے ساتھ مندرجۂ ذیل امور پر روشنی پڑتی ہے۔ موسیٰؑ کو بکثرت معجزات عطا کیے گئے تھے۔ ایسی قطعی برہان بھی دی گئی تھی جس کے مقابلے میں فرعون اور اس کا تمام شکوہ و جلال مغلوب تھا۔ اللہ کی طاقت جس کے ساتھ ہو، اگرچہ وہ تنہا بے یار و مددگار ہو، مگر اپنے حریف پر غالب آتا ہے، خواہ اس کا حریف شہنشاہِ اعظم ہو۔ صداقت اور حقانیت مغلوب نہیں ہو سکتی۔ فرعون یقیناً گمراہ تھا اور گمراہی پر اس کا انتقال ہوا۔ مرتے وقت بھی اُس نے توبہ نہیں کی۔ کج راہی کے عقیدۂ بد میں مبتلا ہونے والا نہ صرف پیشوا ہی ہوتا ہے بلکہ اس کے تمام پیرو اور مقلد بھی ماخوذ ہوتے ہیں۔ اظہارِ حق علی الاعلان شیوۂ انبیاء ہے۔ اہلِ حق حق کو ظاہر کرنے میں کسی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتے اس میں مسلمانوں کے لئے بھی درسِ بصیرت ہے کہ دولت، مال، عزت، حکومت اور ہر قسم کی طاقت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے تم کو اظہارِ حق اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کی کوشش کرنی چاہیئے۔ باطل پرست مقابل کی طاقت اور شوکتِ ظاہری سے نہ ڈرو۔ سُنتِ موسیٰ پر عمل کرو۔ بالآخر تم ہی کامیاب ہوگے وغیرہ۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآىِٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ ۝ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ

یہ بستیوں کی چند خبریں ہم تم کو سُنا رہے ہیں اُن میں سے بعض بستیاں تو موجود ہیں اور کوئی جڑ سے کٹ گئی ہے ہم نے اُن پر ظلم نہیں کیا

وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

بلکہ انھوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا جب اللہ کا عذاب آپہنچا تو اُن کے وہ معبود کچھ کام نہ آئے جن کی عبادت وہ خدا

toobaafoundation.com

اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ۝ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ

کو چھوڑ کر کرتے تھے اور وہ معبود اُن کی تباہی میں مزید اضافہ کا سبب ہے تمہارے رب کی پکڑ ایسی ہی ہے

رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِىَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

جبکہ وہ بستیوں کی گرفت کرتا ہے بشرطیکہ وہ ظالم ہوں اُن کی گرفت واقعی دردناک ہے اس میں ان لوگوں کے لئے

لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۭ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ

نشانِ قدرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہو وہ ایسا دن ہوگا جس میں لوگوں کو جمع کیا جائے گا اور وہی دن ہوگا جسمیں لوگوں کو حاضر کیا جائیگا

تفسیر

ان آیات میں گزشتہ کل قصص و واقعات کا نچوڑ ظاہر فرمایا ہے۔ ہم چند فقروں کی توضیح کرتے ہوئے خلاصہ مطلب بیان کرتے ہیں۔

(۱) ابن کثیر کے نزدیک قائم سے معمور آبادیاں اور حصید سے مراد تباہ ویرانے ہیں۔ بعض لوگوں نے ابنِ عباسؓ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ قتادہ فرماتے ہیں۔ قائم سے وہ بستیاں مراد ہیں جن کے کچھ آثار باقی ہیں اور ان کی شناخت ہوسکتی ہے اور حصید سے مراد وہ ویرانے ہیں جن کی آبادی کا نام نشان بھی مٹ گیا اور وہ خود بھی فرسودہ ہوکر مٹ گئے۔

(۲) اللہ کی گرفت سخت ہے۔ حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت ہے کہ حضور اقدسؐ نے ارشاد فرمایا ظالم بندہ کو اللہ ڈھیل دیتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب اس کی گرفت کرلیتا ہے تو پھر اس کو رہائی نہیں دیتا۔ حضور والاؐ نے مذکورہ ارشاد کے بعد آیت اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ تلاوت فرمائی (رواہ البخاری ومسلم)

حاصل ارشاد یہ ہے کہ جن بستیوں کے واقعات کا تذکرہ کیا گیا اُن میں کچھ بستیاں تو صفحۂ زمین اپنا نام نشان رکھتی ہیں، کچھ آثار ان کے دکھائی دیتے ہیں (مثلاً مدینہ سے تبوک جاتے وقت راستہ میں قوم ثمود کا کنواں، اونٹنی کی آمد و رفت کا راستہ وغیرہ حضور والاؐ نے لشکر والوں کو دکھایا تھا۔ بلکہ اب بھی بہت سے نشانات باقی ہیں) اور کچھ بستیوں کی نمود بھی مٹ گئی۔ اللہ نے ان کو تباہ کردیا۔ اُن کے جھوٹے دیوتا اور ناطاقت فرضی معبود کچھ اُن کی مدد نہ کرسکے بلکہ باطل معبودوں کی پرستش خود پرستاروں کے حق میں تباہی کا سبب ہوئی۔ اس سے آگے فرماتا ہے کہ گزشتہ اقوام ہی پر کیا حصر ہے ضابطۂ الٰہی اور قانونِ قدرت ہی یہی ہے کہ جب کوئی قوم حق سے سرکشی کرتی اور قانونِ فطرت کی خلاف ورزی کرتی ہے تو خدا اس کی گرفت کرتا ہے اور ایسی گرفت کرتا ہے کہ پھر رہائی ناممکن ہوجاتی ہے وغیرہ۔

مقصودِ بیان

گزشتہ اقوام کے واقعات کا بیان کا نچوڑ۔ مسلمانوں کے لئے درسِ عبرت۔ قانونِ الٰہی کا اظہار۔ اس امر کی صراحت کہ خدا ظالم نہیں وہ کسی پر ظلم نہیں کرتا بلکہ انسان کی زیاں کاری اور بداعمالی خود اس کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے، اگرچہ مسبب خدا ہے۔ اللہ کی گرفت سخت ہے اُس سے رہائی ناممکن ہے۔ قیامت میں سب کا جمع ہونا اور حاضر ہونا ضروری ہے وغیرہ۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝ يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ

ہم اُس کو چند روزہ مدت ہی کے لئے ملتوی کئے ہوئے ہیں جب وہ دن آپہنچے گا تو کوئی شخص بغیر اذنِ خدا کے نہ بول سکے گا پھر لوگوں میں سے

toobaafoundation.com

شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ○ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ ○

کوئی بدبخت ہوگا کوئی نیک بخت جو لوگ بدبخت ہیں وہ آگ میں ہوں گے اور آگ کے اندر اُن کی چیکار دھاڑ ہوگی

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم رہیں گے ہاں جو تمہارا رب چاہے تمہارا رب

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا

جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے جو لوگ نیک بخت ہوں گے وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے جب تک

دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ○

آسمان و زمین قائم رہیں گے ہاں جو تمہارا رب چاہے یہ بخشش غیر منقطع ہوگی

تفسیر تفصیل و تحقیق مباحث سے قبل ہم آیات کا مختصر تفسیری مطلب بیان کرتے ہیں۔ گزشتہ آیات میں بیان فرمایا تھا کہ قیامت کا ایک دن مقرر ہے جس میں تمام آدمیوں کو سمیٹ کر جمع کیا جائے گا اور اعمال کی شہادت لی جائے گی۔ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ قیامت کا وہ مقررہ دن کب ہوگا اس میں تاخیر کی کیا وجہ ہے؟ اس دن کی مفصل کیفیت کیا ہوگی؟ قیامت کا دن کس کام کے لئے مقرر کیا گیا ہے؟ ان سب باتوں کا جواب ان آیات میں دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے چونکہ اس عالم کی زندگی کی ایک میعاد مقرر ہے جب تک وہ میعاد پوری نہ ہو جائے قیامت نہیں آسکتی۔ جب دنیوی زندگی کے ایام پورے ہو جائیں گے تو فوراً قیامت آجائے گی۔ وہ دن ایسا ہول انگیز اور وحشت ناک ہوگا کہ بغیر اجازت کے کوئی شخص بھی بات نہ کر سکے گا منہ سے کوئی لفظ بھی نہ نکال سکے گا۔ رہی یہ بات کہ اُس روز کیا ہوگا، کس کام کے لئے قیامت کا دن مقرر کیا گیا ہے؟ اس کے متعلق فرماتا ہے کہ نیکوں اور بدوں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا۔ کچھ لوگ ازلی بدبخت ہوں گے وہ دوامی طور پہ دوزخ میں رہیں گے اور کچھ لوگ ازلی خوش نصیب ہوں گے وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔ نہ دوزخ کے عذاب کو کبھی انقطاع ہے نہ جنت کے ثواب کو کبھی فنا۔ خصوصاً جنت کے اندر انعاماتِ الٰہی تو لازوال اور بے انتہا ہیں۔ اب ہم آیات پر تفصیلی تبصرہ کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ قیامت کا ایک دن مقرر ہے۔ اس کے آنے کی مدت محدود ہے۔ ایک قلیل مدت تک دنیا باقی ہے، جب وہ مدت ختم ہو جائے گی قیامت آجائے گی۔ دنیوی بقا کتنی بھی طویل ہو، مگر پھر محدود ہے اور محدود چیز غیر محدود کے مقابلے میں قلیل ہے۔ قیامت کا یقینی علم سوائے اللہ کے کسی کو نہیں صرف چند آثار احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً دنیا کی مردم شماری میں عیسائیوں کی تعداد بڑھ جائے گی۔ دولت و قوت میں بھی عیسائی بڑھ کر ہوں گے۔ عرب کے چند محدود قطعات مسلمانوں کے قبضہ میں رہ جائیں گے۔ باقی دنیا پر کافروں کا تسلط ہو جائے گا۔ خروج دجال اور ظہور مہدی ہوگا۔ یہ تو آثار کبریٰ ہیں۔ آثار صغریٰ تو وہ بکثرت ہیں جن کو عام طور پر علماء اسلام جانتے ہیں۔

۲۔ قیامت کے دن بغیر اذن الٰہی کے کوئی کسی سے کچھ بات نہ کر سکے گا نہ کر سکے گا یعنی واقعات قیامت کی ہولناک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کے سبب کوئی بات نہ کر سکے گا۔ زبان سے کوئی لفظ نہ نکلے گا۔ ہاں جس کو اللہ کی طرف سے اذن ہوگا وہی بولے گا۔ صحیحین کی حدیث شفاعت میں مذکور ہے کہ سوائے پیغمبروں کے اور کوئی شخص اس دن بات نہ کر سکے گا اور اگر پیغمبر کچھ کہیں گے تو یہی کہیں گے یا رب سَلِّمْ سَلِّمْ۔ پروردگار بچا لے۔ ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دوسری آیات میں بصراحت مذکور ہے کہ قیامت کے دن کفار غلط بیانی اور دروغ گوئی کریں گے۔ دنیا میں جو کچھ شرک اور کفر

toobaafoundation.com

کرتے ہیں اس سے مکر جائیں گے۔ مثلاً کہیں گے رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ۔ دوسری جگہ آیا ہے۔ يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا۔ ابن عباسؓ نے اس شبہ کا ازالہ اس طرح فرمایا ہے کہ روز قیامت کے تین حصے ہوں گے۔ ابتدائی حصہ میں انتہائی حیرت و ہیبت کی وجہ سے کوئی کچھ نہ بول سکے گا۔ دوسرے حصے میں کفار بات تو نہ کر سکیں گے، مگر ان کے اعضاء ان کی بداعمالیوں کی شہادت دیں گے پھر تیسرے حصہ میں انبیاء اولیاء وغیرہم سفارش کر کے گناہ گار اہل ایمان کو رہا کرائیں گے اور کفار پر عذاب کی مار ہوگی تو اس وقت کفار اپنی بداعمالیوں سے مکر جائیں گے اور اپنے کرتوت سے انکار کریں گے۔

۱۰۳ قیامت کے دن صرف دو فرقے ہوں گے۔ بدبخت اور خوش نصیب۔ یعنی ایک گروہ تو وہ ہوگا جو فیصلۂ ازلی کے موافق سعادت مند ہوگا۔ دوسرا گروہ وہ ہوگا جو ازلی تجویز کے بموجب شقی اور بدبخت ہوگا۔ اوّل گروہ نجات یافتہ اور دوسرا گروہ مبتلائے عذاب ہوگا۔ اہل سُنّت کے قول پر ان دو گروہوں کے درمیان کوئی تیسرا گروہ نہ ہوگا۔ مخلص اہل ایمان خواہ باعمل ہوں یا بے عمل، پاک صاف ہوں یا مرتکب کبائر۔ بہرحال اوّل گروہ میں داخل ہیں۔ کیونکہ سعادت مند کے یہاں یہ معنی ہیں کہ کبھی نہ کبھی اس کو جنّت مل جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر رائی برابر ایمان دل میں ہوگا تو کسی وقت دوزخ سے رہائی ضرور ہوگی۔ خواہ اعمال کیسے ہی خراب ہوں۔ رہے کفار تو وہ شقی گروہ میں داخل ہوں گے، ان کی رہائی کبھی نہ ہوگی۔ فرقۂ معتزلہ کے نزدیک وہ مؤمن بھی جو مرتکب کبائر ہیں ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ معتزلہ کا علم بردار زمخشری اہل سُنّت پر طعن کرتا ہوا آیت اَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا سے کفار اور مرتکب کبائر اہل ایمان مراد لیتا ہے، مگر شوکانی نے مختلف احادیث کی روشنی میں اس کی کافی تردید کر دی ہے۔

۱۰۷ کفار کے دوامی دوزخی ہونے اور اہل ایمان کے دوامی جنّتی ہونے میں علماء کا اختلاف ہے۔ اس آیت میں صراحۃً بیان کیا گیا ہے کہ کفار دوزخ میں رہیں گے۔ ہاں اگر اللہ چاہے گا تو ان کو بھی نکال لے گا۔ بعض علماء کا یہی مسلک ہے۔ علماء کا یہ گروہ اپنے مقصد کے ثبوت میں مندرجہ ذیل حدیث پیش کرتا ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ثابت ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب کہ جہنم میں کوئی نہ ہوگا اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے، لیکن یہ بات مدتوں جہنم میں پڑے رہنے کے بعد ہوگی۔ معلوم ہوا کہ کفار کو بھی آخر میں رہائی مل جائے گی (رواہ احمد فی مسندہ) ابن تیمیہ نے یہی قول فاروق اعظمؓ ابن عباسؓ، ابن مسعودؓ، ابوہریرہؓ، انس بن مالکؓ کا بیان کیا ہے۔

آیت سے استدلال کی نفی تو ہم بعد کو کریں گے۔ اوّل حدیث کا مطلب بر طریق اہل سُنّت بیان کرتے ہیں۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب کہ دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور اس کے اندر کوئی کمزور ایمان والا بھی نہ ہوگا۔ اس مطلب کی تائید حدیث شفاعت مروّیہ صحیحین سے بھی ہوتی ہے۔ رہا آیت سے استدلال کا رد تو اس کے متعلق ابوسعید عذریؓ کا تفسیری قول کافی ہے کہ قرآن پاک میں جس جگہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا۔ آیا ہے وہاں دوام غیر منقطع مراد ہے اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آیت مذکورہ انقطاع عذاب پر دلالت کرتی ہے تو بقول ابن عباسؓ آیت اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ اس کی ناسخ ہے۔ ہاں ابھی آیت سے دوام عذاب پر ایک شبہ اور ہو سکتا ہے وہ یہ کہ عذاب کی مدت کو بقاء آسمان و زمین کی مدت پر معلق کیا ہے یعنی جب تک آسمان و زمین معلق ہوں گے، کفار دوزخ میں رہیں گے اور آسمان و زمین کا وجود تو دوامی نہیں لہٰذا عذاب کفار بھی دوامی نہیں ہو سکتا۔ اس شبہ کا ازالہ اس طور پر کیا جا سکتا ہے کہ آسمان و زمین سے یہ دنیوی آسمان و زمین مراد نہیں بلکہ آخرت کے آسمان و زمین مراد ہیں جس کی صراحت آیت يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ الخ میں کر دی گئی ہے کیونکہ اس آسمان و زمین کی بربادی تو وجود قیامت سے ہو جائے گی اور دوزخ کا عذاب اس کے بعد ہوگا پھر عذاب کو ان کے بقاء پر معلق کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہی قید اہل جنّت کے لئے بھی آیت میں مذکور ہے۔ اس سے انقطاع عذاب ہو سکتا ہے تو انقطاع ثواب بھی ہونا چاہیئے۔ حالانکہ جنّت کا عدم انقطاع بالاجماع ہے۔

مقصود بیان بقاء دنیا کی میعاد معیّن ہے۔ میعاد معیّن گزر جانے کے بعد قیامت آئے گی۔ قیامت کا دن نہایت ہولناک ہوگا۔ بغیر اذن الٰہی کوئی کسی سے بات نہ کر سکے گا۔ انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں سعید اور شقی۔ درمیان میں کوئی تیسری صنف نہیں۔ دوزخی دوزخ میں اور جنّتی جنّت میں ہمیشہ رہیں گے۔ آخرت کے آسمان و زمین دنیوی آسمان و زمین سے علیحدہ ہوں گے۔

toobaafoundation.com

فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۭ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ

تو (اے مخاطب) تو اُن چیزوں سے شک میں نہ ہو جس کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں یہ ایسی ہی چیز کی پرستش کرتے ہیں جیسے ان سے پہلے اُن کے باپ دادا

مِّنْ قَبْلُ ۭ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ۝ ع ۹ ۹

پُوجا کرتے تھے ہم بغیر کمی کے ان کا حصہ پورا پورا دیں گے

تفسیر انبیاء اور ان کی اقوام کے قصص اور مؤمنین و کافرین کے نتائج بیان کرنے کے بعد رسول اللہ کی قوم کی حالت بیان فرما کر مسلمانوں کے شکوک کو (اگر کافروں کی حالت دیکھ کر پیدا ہوئے ہوں) زائل فرماتا ہے۔ کفار اور باطل پرستوں کا عام عقیدہ ہوتا ہے کہ ہمارے دیوتا اور معبود پیر فقیر ہمارے مددگار رہیں، انھیں کے طفیل سے ہم کو رزق، دولت اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہم اس کے خلاف کریں گے تو ہیٹ ہو جائیں گے۔ ہماری دولت اور رفاہیت زائل ہو جائے گی۔ اگر ان کی پرستش اور ان سے عقیدت حق نہ ہوتی تو ہم اس قدر دولت مند کیوں ہوتے، ہم ضرور تباہ کر دیے جاتے وغیرہ۔ کافروں کی حالت چونکہ عموماً دولتمندی میں مسلمانوں سے اچھی ہوتی ہے، اس لئے اہلِ اسلام کے دلوں میں اس شیطانی تقریر کا اثر ہو سکتا تھا اور بناء بریں خداوند تعالیٰ رسول پاک ؐ کو خطاب فرماتا ہے۔ خطاب اگرچہ رسول ؐ کو ہے، مگر روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ مسلمانوں تم کافروں کی رفاہیت اور دنیوی تمول دیکھ کر یہ نہ خیال کر لینا کہ یہ جو دیوتاؤں اور باطل معبودوں کی پرستش کرتے ہیں ان کی دولت مندی اسی کا ثمرہ ہے۔ جھوٹے دیوتا ان کو دولت مند بنا دیتے ہیں ان کے دیوتاؤں کے ہاتھوں میں تو کچھ بھی نہیں ہے، سب کچھ ہمارے ہی ہاتھ میں ہے۔ اچھائی ہو یا برائی، نیکی ہو یا بدی، آرام ہو یا تکلیف ہم ہی ہر ایک کا مقررہ حصہ پورا پورا دیتے ہیں۔ بُت اور دیوتا کچھ نہیں دیتے۔ بات یہ ہے کہ باطل پرستی کی جب کوئی وجہ نہیں ملتی اور کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے تو مجبوراً ایسی توجیہ کرتے ہیں ورنہ واقع میں یہ محض مقلد ہیں۔ جس چیز کی ان کے اسلاف پرستش کرتے چلے آئے ہیں۔ اسی کی پوجا یہ کرتے ہیں۔ حق ناحق سے کوئی بحث نہیں۔

مقصود بیان کورانہ تقلید اسلاف کی درپردہ ممانعت۔ خوشی راحت، دولت و افلاس سب مقدر ہے۔ کفر و اسلام سے دنیوی رزق میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ جو مقدر ہے وہ ضرور پورا پورا ملے گا وغیرہ۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ۭ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی لیکن اس میں اختلاف کیا گیا اگر ایک بات تمہارے رب کی طرف سے پہلے نہ ٹھہر چکی ہوتی تو ان کا باہمی فیصلہ

بَيْنَهُمْ ۭ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ۝ وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۭ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ

کر دیا گیا ہوتا یہ لوگ اس کی طرف سے بے چینی انگیز شک میں ہیں ان سب کو اُن کے اعمال کا پورا پورا بدلہ تمہارا رب ضرور دے گا وہ ان سب کے اعمال سے

خَبِيْرٌ ۝ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۭ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

باخبر ہے جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے اُس پر تم اور وہ لوگ جنھوں نے تمہارے ساتھ توبہ کی ہے۔ سیدھے چلتے رہو اور تم حد سے آگے نہ بڑھو اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

toobaafoundation.com

تفسیر

کفارِ عرب جس طرح توحید کے منکر تھے اسی طرح حضورِ اقدس کی نبوت کو نہ مانتے تھے۔ اس سے رسولِ پاک کو صدمہ تھا جو حضور کی تسلی کے لئے حضرت موسیٰؑ کا حوالہ دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ رسالت کا انکار اور احکامِ الٰہی سے سرتابی کوئی نئی بات نہیں بلکہ پیشتر سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے۔ مثلاً ہم نے موسیٰ پر توریت نازل کی تھی، اس کو بعض لوگوں نے مانا بعض نے نہ مانا۔ بعض آدمیوں نے کچھ احکام مانے کچھ نہ مانے۔ کسی نے الفاظ میں تحریف کردی، کسی نے معنی بگاڑ دیے۔ بعض نے توریت کو اپنی مقصد برآری کا ذریعہ بنایا۔ جو حکم چاہا دیا اور جس سے چاہا منع کیا اور جب چاہا جائز کیا۔ اس پھوٹ اور اختلاف کو خدا دور کرسکتا تھا خواہ اس صورت سے کہ پھوٹ ڈالنے والوں کو تباہ کردیتا، خواہ اس طرح کہ اختلاف پیدا کرنے والوں کو اختلاف کی طاقت ہی نہ دیتا، لیکن یہ تو قانونِ قدرت ہے، فیصلۂ ازلی ہے کہ مومن و منکر، شقی و سعید اور نیک و بد سے دنیا آباد رہے۔ اسی ازلی فیصلے کا لحاظ کرتے ہوئے خدا نے منکروں اور پھوٹ ڈالنے والوں کو برباد نہیں کیا۔ چنانچہ اب تک وہ اضطراب انگیز شک اور توہم پرستی میں بدستور مبتلا ہیں، اور خدا نے ان کو چھوڑ رکھا ہے۔ ہاں آخرت میں ہر ایک کے عمل کا پورا پورا بدلہ دے گا وہاں چھوٹ نہ ہوگی۔ لہٰذا تم کو بھی کفار کے کفر و انکار اور ان کی سرتابی سے کچھ صدمہ نہ کرنا چاہیئے۔ اللہ سب کی حالت جانتا ہے تو جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ البتہ تم اپنے کام میں درست رہو اور تمہارے ساتھی اور ہر شخص جو مومن ہو اس کو راہِ اسلام پر قائم رہنا چاہیئے، مگر اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ حد سے بڑھ جاؤ اور اعتدال سے بھی تجاوز کرجاؤ (نوافل میں اتنا غلو کرو کہ صحت تباہ ہوجائے اور بالآخر ان کا التزام نہ کرسکو)

آیت فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ کے معنی کی توضیح مختلف علماء نے مختلف طور پر کی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا استقامت درحقیقت یہ ہے کہ اوامر و نواہی کی پابندی کرو، لومڑی کی طرح حیلے بہانے نہ ڈھونڈو۔ ابوالسعود نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ لفظ استقامت تمام اصولی و فروعی احکام اور علمی اور عملی کمالات کو جامع ہے اور اس کو پورا کرنا بہت دشوار ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ استقامت عقائد و اعمال دونوں کو شامل ہے۔ حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی کی روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اسلام کے متعلق ایسی بات بتا دیجئے کہ حضور کے بعد مجھے اور کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ فرمایا اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کہو اور پھر استقامت اختیار کرو (مسلم)

ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس آیت سے زیادہ سخت اور شاق حضورؐ کے حق میں اور کوئی آیت نہیں اُتری۔ صحاح و سنن میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کردیا یعنی سورۂ ہود کی اسی آیت نے جس میں استقامت کا حکم ہے۔ حسن بصری کی روایت ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضورؐ نے فرمایا شَمِّرُوْا شَمِّرُوْا یعنی دامن سمیٹ کر، کمر باندھ کر مضبوطی کے ساتھ تعمیلِ احکام کے لئے آمادہ ہوجاؤ۔ پھر اس کے بعد کسی نے آپ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔

مقصودِ بیان

اسلام میں تفرقہ اور کتبِ الٰہیہ کا انکار اور ان میں اختلاف پیدا کرنا قانونِ ازلی کے مطابق ہے۔ ضابطۂ قدرت ہی یوں ہے کہ کچھ مومن اور کچھ کافر، کچھ موحد اور کچھ پھوٹ پیدا کرنے والے ہوں تاکہ حق و باطل کا امتیاز ہوتا رہے اور اس زمین کی آبادی قائم رہے۔ حضرت موسیٰ کی توریت میں اختلاف پیدا ہونے کی خبر دینے سے اس طرف ایماء ہے کہ آئندہ مسلمان بھی قرآن میں اختلاف کریں گے۔ اگر الفاظ میں نہیں تو معانی میں تحریف و تبدیل ضرور کریں گے اور پھر آخرت میں حق و باطل اور صادق و کاذب کا نتیجہ سامنے آجائے گا۔ لفظ فَاسْتَقِمْ سے صراحتہً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام نام اعتدال اور میانہ روی کا ہے۔ افراط اور تفریط دونوں اسلام سے خارج ہیں۔ گمراہی کا تو کفر ہونا ظاہر ہے مگر کج راہی بھی کفر ہے۔ نوافل و اعمالِ خیر میں ناقابلِ برداشت زیادتی کی بھی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ جس طرح نواہی و اوامر سے سرتابی کو گمراہی خیال کرتا ہے لفظ كَمَا أُمِرْتَ سے صاف واضح ہے کہ قانونِ اسلام قانونِ الٰہی ہے۔ عقلاء کی تصنیف اجماع اور وضع کو اس میں دخل نہیں۔ شریعت کے تمام عقائد اور فرائض واجبات نیز سنن مؤکدہ الہامی چیزیں ہیں۔ عقل سے ان میں تغیر تبدل نہیں کیا جاسکتا۔ اگرچہ ان میں سے کوئی حکم خلافِ عقل و بصیرت بھی نہیں ہے۔ وَلَا تَطْغَوْا کا لفظ بتا رہا ہے کہ شریعت قانونِ عدل ہے اور عدالت کا ہی نام شریعت ہے۔ اس سے ہٹنا خواہ کسی جانب ہو یا زیادتی کی طرف بہرحال طغیان ہے گویا عدالتِ الٰہیہ کا مظہر قانونِ شرع ہے جو دنیا میں انصاف قائم کرنے، امن پھیلانے اور طمانیت میں ضا ذکر نے کے لئے آیا ہے۔ جور و طغیان، ظلم و زیادتی وغیرہ کی جڑیں اس سے اکھڑ جاتی ہیں وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝

اور ظالموں کی طرف نہ جھکو ورنہ تم کو بھی آگ لگے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہ ہوگا نہ تمہاری مدد کی جائے گی۔

تفسیر یہ آیت گزشتہ آیت سے وابستہ ہے۔ پہلی آیت میں استقامت کا حکم دیا تھا۔ اس جگہ فرمایا کہ دنیا کی ثروت دیکھ کر یا عزت، عروج، حکومت اور دولت وغیرہ کے حصول کے لئے ظالموں کی طرف مائل نہ ہو۔ اپنی استقامت کو کسی خوف یا کسی لالچ کے سبب نہ چھوڑو۔ ظالموں کی طرف میلان کرنے کا نتیجہ دوزخ ہے۔ توضیح معنی سے قبل ہم آیت کے دونوں اجزاء کی تشریح کرنی چاہتے ہیں۔

۱؎ رکون کی ممانعت ہے۔ قرطبی نے رکون کے معنی بھروسہ کرنا، ٹیک لگانا، اعتماد کرنا اور پسند کرنا لکھے ہیں۔ ابن جریر نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ رکون کے معنی جھکنا، مائل ہونا ہیں۔ ابن عباسؓ سے دوسری روایت میں ہے لَا تَرْكَنُوْٓا کے معنی ہیں کہ ظالموں سے آشتی، مداہنت اور مصالحت نہ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ ان کے گفتار و کردار کو دیکھ کر چپ ہو کر بیٹھ رہو۔ فتح البیان میں بروایت عکرمہ و قتادہ منقول ہے کہ ظالموں سے ولی دوستی اور ان کی اطاعت کرو۔ کشاف میں لکھا ہے کہ رکون سے مراد خفیف میلان ہے۔

۲؎ ظالموں سے کون لوگ مراد ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس میں ہر ظالم داخل ہے۔ خواہ مشرک عادل ہو جس نے اپنے نفس پر فقط ظلم کیا ہے، مخلوق پر ظلم نہیں کیا یا مشرک ظالم ہو جو دونوں طرح سے ظلم کرتا ہے اپنے نفس پر بھی اور مخلوق پر بھی یا سلم ظالم ہو جو مخلوق پر ظلم کرتے ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ اہل عدل کو چھوڑ کر ستمگاروں اور نافرمانوں سے اُنس، دینی ربط ضبط اور باطنی اختلاط نہ کرو۔ ظالموں کے ظلم کی حمایت کسی طرح نہ کرو۔ نہ رفتار و کردار سے نہ اعلان و اخفاء سے نہ سکوت و خاموشی سے۔ بلکہ اس کے خلاف جہاں تک ممکن ہو کوشش کرو۔ نرمی اور شفقت سے اس کو سمجھاؤ۔ پھر سختی کا موقع ہو تو درشت لہجہ سے فہمائش کرو۔ یوں بھی نتیجہ نہ نکلے تو ظالم کے خلاف عملی اقدام کرو اور کسی طرح مقابلہ نہ ہو تو ترک تعلقات کر لو ورنہ ظالم کے ساتھ تم بھی دوزخ میں جاؤ گے۔ ظالم آگ کا مجسمہ ہے تم کو بھی جلا کر خاکستر کر دے گا۔

نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ جس میلان سے آیت میں ممانعت کی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ظالموں کی وضع اور حالت کو دل سے پسند کیا جائے۔ دوسروں کو ظالموں کے قول و فعل کی خوبی سمجھائی جائے اور اس کے ساتھ کسی ظلم میں شرکت کی جائے۔ رہے دنیوی معاملات تو کسی جائز فائدے کے حصول کے لئے یا مضرت کو دور کرنے کے لئے ظالموں سے ملنے جلنے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ قرطبی کے قول کا بھی یہی مفاد ہے۔ اہل تحقیق کی بھی یہی رائے ہے۔

مقصودِ بیان ظالموں کی حمایت کرنے بلکہ اُن سے اندرونی دوستی رکھنے اور ان کی طرف قلبی میلان کرنے کی ممانعت۔ آیت سے صاف واضح ہے کہ اسلام آشتی اور امن کا علمبردار ہے۔ ظلم اور دراز دستی قطعاً بندش کرنی چاہتا ہے۔ بلکہ اپنے پیروؤں کو بھی ستمگاروں کی طرف مائل ہونے سے روکتا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ جس نے ظالم کے لئے درازیٔ عمر کی دعا کی اُس نے پسند کیا کہ دنیا میں اللہ کی نافرمانی زیادہ پھیلے (کذا فی السراج) آیت میں درپردہ تبلیغ ہے اس بات کی کہ ظالم سے نہ خوف کرو نہ طمع رکھو بلکہ اس کے خلاف علم جہاد بلند کرو۔ اس کی طاقت کی افزونی اور دولت کی فراوانی تم کو اعلانِ حق سے نہ روکے کیوں کہ کارساز درحقیقت خدا ہے۔ اس کی امداد و نصرت تم کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی نہ اس کی دشمنی تمہارا کچھ بگاڑ سکتی ہے وغیرہ۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ۭ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ

اور دن کے دونوں سروں پر اور رات کے کچھ حصہ میں نماز باقاعدہ پڑھتے رہو کیونکہ نیکیاں قطعی طور پر بدیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔

toobaafoundation.com

ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۚ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ

یہ نصیحت ماننے والوں کے لئے نصیحت ہے اور صبر رکھو اللہ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا

اس آیت کی شانِ نزول میں مختلف روایات کے لحاظ سے کمی بیشی ہے۔ ترمذی، بخاری، مسلم، مسند احمد اور ابن جریر کی روایات کم و بیش ہیں۔ سب کا خلاصہ یہ ہے کہ کسی مجاہد کی بیوی سے ایک شخص نے معانقہ اور ملامسہ کیا اور فوراً خوفِ خدا دل میں پیدا ہوا تو بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر قصہ عرض کر دیا۔ حضورؐ نے جواب دینے میں تأمل فرمایا۔ کچھ دیر سر نگوں رہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے ابوامامہ کی روایت سے اتنا مزید بیان کیا کہ وہ شخص بے قراری کے ساتھ جواب کا منتظر کھڑا رہا۔ نماز کا وقت آیا تو اُس نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز کے بعد حضورؐ نے اُس سے فرمایا کیا تو نے پورا وضو کیا تھا اور ہمارے ساتھ نماز پڑھی تھی؟ اُس نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تو گناہ سے ایسا پاک ہو گیا جیسا پیدا ہونے کے بعد تھا، لیکن اب ایسا نہ کرنا۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ حضرت معاذ نے عرض کیا حضور یہ حکم کیا فقط اسی کے لئے ہے؟ فرمایا نہیں بلکہ سب اُمت کے لئے ہے۔

اب ہم توضیحِ مطلب سے پہلے آیت کا تجزیہ کرتے ہیں۔ اَلصَّلٰوۃ سے مراد ابن مسعودؓ کے نزدیک پنجگانہ فرائض ہیں۔ ابن عباسؓ نے نوافل کو بھی داخل سمجھا ہے۔ اکثر محدثین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ قرطبی نے ابن مسیّب، وضحاک وغیرہ کا بھی یہی قول بتایا ہے۔

دن کے دونوں کناروں کی نماز سے مراد کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن زید وغیرہ کا قول یہ ہے کہ طرفِ اوّل سے فجر کی نماز اور طرفِ دوئم سے مرادِ مغرب کی نماز ہے اور زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ سے مراد عشاء کی نماز ہے۔ ابن جریر نے اس قول کو پسند کیا ہے۔ حسن، ضحاک، قتادہ وغیرہ کے قول پر طرفِ اوّل فجر ہے اور طرفِ دوئم ظہر اور عصر اور زُلَفْ سے مراد مغرب و عشاء ہے۔ فخر الدین رازی نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔

آیت میں تین امور کی ہدایت کی ہے پنجگانہ نماز ادا کرنا، نیکی کرنا، صبر کرنا۔ ظاہر ہے کہ دین و دنیا انھیں تینوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ حقِ الٰہی ادا کرنا یعنی ویسی عبادت کرنی جو مخصوص ذاتِ الٰہی کے ساتھ ہے۔ مخلوق کا کوئی نفع نقصان اس سے وابستہ نہیں۔ یوں تو اللہ کی یاد دل میں رکھنے کا قطعی حکم ہے، لیکن خصوصی یاد کے لئے بھی پانچ وقت مقرر فرما دیئے ہیں تاکہ جو لوگ عمومی بجا نہ لاسکیں وہ کم از کم پنجگانہ مقررہ اوقات میں تو خدا کی یاد کر ہی لیا کریں۔ دوسرا حکم ہے نیکی کرنے کا۔ اس میں ہر نیک عمل داخل ہے۔ زکوٰۃ دینا، غریبوں مسکینوں کی امداد کرنا، اہلِ استحقاق کی پرورش کرنا، اعزا اقارب، احباب و اجانب سے اچھا سلوک کرنا، دنیا میں امن پھیلانا، فساد کی بیخ کنی کرنا وغیرہ تمام اعمالِ خیر کو یہ حکم شامل ہے۔ تیسرا حکم صبر کرنے کا ہے۔ صبر کے معنی ہیں نفس کو روکنا۔ مراد یہ ہے کہ کل ممنوعات سے نفس کو روکا جائے۔ ہر وہ چیز جو دنیا کی تکلیف کا باعث ہو اور اس سے اصلاحِ عالم تباہ ہوتی ہو خواہ اس کا تعلق اخلاق و وجدانیات سے ہو یا معاشرت اقتصاد اور سیاست سے۔ بہرحال ہر ضرر رساں قول و فعل اور ایماء و کنایہ سے ہاتھ زبان اور تحریر و تقریر کو روکا جائے۔

حضورِ اقدسؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمانوں کو ضرر نہ پہنچے۔ یہ بھی فرمایا تھا کہ بہترین آدمی وہ ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے۔ اب رہی یہ بات کہ نیکیوں سے برائیاں کیسے دُور ہو جاتی ہیں تو اس کے متعلق حضرت معاذؓ کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا اگر کوئی خطا صادر ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کر جس سے وہ محو ہو جائے گی اور لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کر (احمد)۔ ظاہر ہے کہ نیکی وہی شخص کرے گا جو بدی سے ہٹ کر نیکی کی طرف متوجہ ہو تو گویا دوامی بدی جذبۂ توبہ سے معدوم ہو جائیں گے۔ رہ گیا گزشتہ بدی کا عذاب تو وہ نیکی کی طرف میلان کرنے سے زائل ہو جائے گا اور اگر کسی پر کچھ ظلم کیا ہے تو اس کا بدل اس طرح ہو جائے گا کہ علاوہ توبہ کرنے کے اس کے ساتھ حسنِ سلوک کیا جائے جس کے متعلق حضورؐ نے فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو۔

مقصودِ بیان ۔ دنیا میں قانونِ عدالت جاری کرنے کے لئے تین امور کی ہدایت۔ عبادت، افادۂ خیر، ممانعتِ شر۔ اس امر کا اظہار

toobaafoundation.com

کہ برائی کرنے کے بعد اسی طرح کی نیکی کرنے سے دوامی شر اور عذاب گناہ کا زائل ہو جاتا ہے وغیرہ۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ

تم سے پہلی صدیوں میں ایسے سمجھدار لوگ کیوں نہ ہوئے، جو ملک میں فساد کرنے سے منع کرتے

اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝

ہاں ان میں سے تھوڑے آدمی ایسے تھے جن کو ہم نے بچا لیا تھا اور ظالم لوگ اسی راہ پر چلے جس میں ان کو عیش ملا اور وہ مجرم تھے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۝ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ

اور تیرا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی والے کو ظلماً ہلاک کر دے باوجودیکہ وہاں کے باشندے اصلاح میں لگے ہوئے ہوں اگر تمہارا رب چاہتا تو سب لوگوں

النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ۭ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ۭ

کو ایک ہی طریقہ کا کر دیتا مگر یہ ہمیشہ مختلف رہیں گے ہاں وہ جس پر تیرا پروردگار رحم کرے اسی کے لئے ان کو پیدا کیا ہے

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

اور تمہارے رب کی یہ بات پوری ہو گئی کہ میں دوزخ کو جن و انس سب سے بھر دوں گا۔

تفسیر گزشتہ آیات میں کچھ قوموں کی ستمگاری اور بدکاری بیان کر کے اس کا عذاب اور نتیجۂ بد ظاہر فرمایا تھا پھر ظلم سے انحراف کر کے قانونِ عدل پر قائم رہنے کا حکم تھا پھر ظالموں سے ترک تعلقات کی ہدایت تھی۔ آخر میں عدالتِ عامہ کو پھیلانے اور فساد و تباہی کی جڑیں کھودنے کے اصول ثلاثہ ذکر فرمائے تھے۔ اب ایک عام ریمارک کرتا ہے کہ ہمیشہ سے دستور یہی چلا آیا ہے کہ جہاں آدمی عیش میں پڑا تو خدا کو بھول جاتا ہے، لوگوں کو ہدایت کرنی چھوڑ دیتا ہے، ظلم سے باز داشت نہیں کرتا اور سیہ کار بد اطوار طبقہ اسی طریقہ کی پیروی کرتا ہے جس میں بظاہر ہر نظر اس کو جسمانی راحت اور بدنی عیش حاصل ہوتا دکھائی دیتا ہے، لیکن درحقیقت یہ اس کی مجرمانہ حرکت ہوتی ہے۔ اس سے دنیا میں تباہی پھیلتی ہے، اللہ کی مخلوق خستہ و پریشان ہو جاتی ہے۔ بالآخر خدا ایسے لوگوں کو نابود کر دیتا ہے چنانچہ گزشتہ اقوام کو انھیں اسباب کی بنا پر اللہ نے تباہ کر دیا۔ ہاں وہ تھوڑے افراد جو صلاح و اصلاح پر قائم رہے تھے۔ اللہ نے ان کو بچا لیا۔ مثلاً لوطؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، ہارونؑ، شعیبؑ، صالحؑ اور نوحؑ وغیرہم کو بچا لیا اور ان کی تباہ کار قوموں کو برباد کر دیا۔ جب تک لوگ قانونِ اصلاح کے پابند رہتے ہیں دنیا میں امن قائم رکھتے ہیں۔ تباہی نہیں پھیلاتے، اللہ ان کو برباد نہیں کرتا۔ جب وہ سرکشی فتنہ و فساد کرنے لگتے ہیں خدا ان کو ملیا میٹ کر دیتا ہے۔

اب شبہ ہو سکتا تھا کہ پھر گناہ گار، بداطوار اور ستم شعار طبقہ کو خدا نے پیدا ہی کیوں کیا اور اگر کیا تھا تو ان کی کایا کیوں پلٹ دی۔ کیوں سب کو ہدایت و اصلاح کے ایک نقطہ پر جمع نہ کر دیا۔ حق و باطل اور خیر و شر کا تفرقہ آپس میں جاری ہی کیوں کیا اور اگر جاری کیا تھا تو باقی کیوں رکھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی مشیت ہی یوں ہے، ورنہ نہ گمراہ ہوتے نہ یہ پھوٹ پڑتی۔ اس شبہ کے ازالہ کے لئے تہدیدی لہجہ میں فرماتا ہے کہ ہاں اگر خدا چاہتا تو ایسا سب کچھ کر سکتا تھا سب لوگ مرکزِ حق پر آجاتے اور اختلاف مٹ جاتا، لیکن اس کی مشیت ایسی نہ ہوئی۔ دوزخ بھی اسی نے پیدا کی اور ازلی فیصلہ کہ کچھ لوگ جنتی ہیں کچھ دوزخی۔ ہمیشہ سے یہی دستور چلا آیا ہے کہ کچھ لوگ دینِ حق سے الگ ہو گئے، راہ راست چھوڑ بیٹھے، طریق انبیاء سے

toobaafoundation.com

اختلاف کرنے لگے، فرقے فرقے بن گئے اور جن لوگوں پر خدا کا فضل تھا، جس گروہ پر اُس نے رحم کرنا چاہا وہ طریق انبیاء پر قائم رہا اس نے تعلیم رسول سے سرمو اختلاف نہ کیا۔ پہلا گروہ دوزخی اور دوسرا جنتی ہے۔ درحقیقت تخلیق کا تو مقصود ہی یہ تھا کہ لوگ دائرۂ رحم میں آجائیں۔ جماعت سے الگ نہ ہوں اور طریق انبیاء کو نہ چھوڑیں، مگر لوگوں نے ایسا نہ کیا اور قبل از تخلیق جو ازلی فیصلہ ہو چکا تھا وہ پورا ہو کر رہا۔

ایک تائیدی حدیث میں فتح البیان سے ایک حدیث نقل کرتا ہوں جس کو ابو داؤد اور ترمذی نے بروایت ابو ہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضور اقدسؐ نے فرمایا کہ یہودیوں کا تفرقہ اکہتر یا بہتر فرقوں میں ہو گیا اور نصاریٰ کا بہتر فرقوں میں۔ مگر عنقریب میری اُمت بہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔

امیر معاویہ کی روایت ہے حضورؐ نے فرمایا آگاہ رہو کہ تم سے پہلے اہل کتاب تو بہتر فرقوں تک تقسیم ہوتے تھے، مگر اس اُمت کے فرقے تہتر ہو جائیں گے، جس میں سے بہتر دوزخ میں اور ایک جنت میں ہوگا اور وہ فرقہ جماعت (کا) ہے۔ شیخ حافظ نے مستدرک سے جو روایت نقل کی ہے، اس میں اتنا زائد ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ایک فرقہ کس حالت پر ہوگا؟ فرمایا جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

ایک شبہ آیت وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ صاف بتا رہی ہے کہ اللہ نے لوگوں کو اختلاف اور تفرقہ کے لئے ہی پیدا کیا۔ حالانکہ دوسری آیت میں مذکور ہے کہ اللہ نے اپنی معرفت کے لئے سب کو پیدا کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حق پرستی اور سنتِ انبیاء پر چلنے کے لئے سب لوگ پیدا کئے گئے ہیں نہ کہ تفرقہ اور اختلاف کے لئے۔

شبہ کا ازالہ ذٰلِكَ کا مشارٌ الیہ اختلاف نہیں بلکہ رحمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مقصود تخلیق تو صرف یہ تھا کہ سنت انبیاء پر چل کر لوگ دائرۂ رحمت میں داخل ہو جائیں، مگر بجائے جماعتی نقطہ پر جمع ہونے کے وہ مرکز کو چھوڑ بیٹھے اور لگے آپس میں لڑنے جھگڑنے۔ عکرمہ نے جو روایت بیان کی ہے اس میں یہی مطلب مذکور ہے۔ مجاہد، ضحاک، قتادہ اور عطاء وغیرہ کا بھی یہی قول ہے۔ چنانچہ عطاء کے پاس دو آدمی کچھ مذہبی جھگڑا کرتے ہوئے آئے۔ آپ نے فرمایا تم نے بہت جھگڑا پھیلایا ہے۔ ایک شخص بولا ہم کو اسی واسطے پیدا کیا گیا ہے۔ عطاء نے فرمایا تم جھوٹ کہتے ہو۔ وہ شخص کہنے لگا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ عطاء نے فرمایا اس کا یہ مطلب نہیں کہ جھگڑے اور اختلاف کے لئے اللہ نے پیدا کیا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جماعت اور رحمت کے لئے ان کو پیدا کیا گیا ہے (رواہ ابن وسبب باسنادہ)

مقصودِ بیان اگر لوگ فسق و فجور اور بداعمالی میں مبتلا ہوں تو اہل حق کا فرض ہے کہ ہر ممکن صورت سے ان کو منع کریں ورنہ جو عذاب ان پر نازل ہوگا وہی اس خاموش گروہ پر بھی ہوگا۔ زمین پر تباہی اور فساد پھیلانا حکم الٰہی کے خلاف ہے۔ گویا اس سے اس طرف ایما رہے کہ عدالتِ الٰہیہ کو دنیا میں پھیلانے کی انتہائی کوشش کرنی چاہیئے اور قوانین ظلم کی بیخ کنی کرنی لازم ہے۔ عیش پرستی اور بادۂ راحت سے سرشاری انسان کو باطل پرست بنا دیتی ہے۔ ظالم گروہ اسی راہ پر چلتا ہے جس سے اس کی عیش پرستی میں فرق نہ آئے۔ جب تک اہل ملک قوانین و اصلاح اور ضوابط عدل کے پابند رہتے ہیں، اللہ ان کو برباد نہیں کرتا۔ جب حق و انصاف کو چھوڑ کر تباہی و فساد کی اشاعت کرنے لگتے ہیں تو خدا ان کو غارت کر دیتا ہے۔ اس میں موجودہ مسلمانوں کے لئے درسِ بصیرت ہے۔ ان کی موجودہ ذلت و نکبت کا اصل سبب ہی یہ ہے کہ قوانین اصلاح اور ضوابط عدل کو انھوں نے پس پشت ڈال دیا ہے۔ جب تک شریعت کے بتائے ہوئے اصول کی پیروی نہیں کریں گے یوں ہی پستی اور تباہی کے غار میں پڑے رہیں گے اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو سب لوگ دین حق اور راہ مستقیم پر آجاتے، مگر پھر حق و باطل کا امتیاز جاتا رہتا۔ ہمیشہ سے عالم کا یہی دستور رہا ہے کہ کچھ لوگ اہل حق اور باطل پرست ہوتے ہیں۔ یہ دستور ہمیشہ جاری رہے گا۔ گویا دینی تفرقہ اور اختلاف قانونِ ازلی کے مطابق ہے۔ تخلیق کی اصل غرض صرف یہ تھی کہ لوگ جماعت کی طرف آئیں اور اختلاف نہ کریں۔ اختلاف کے لئے انسان پیدا نہیں کیا گیا وغیرہ۔

toobaafoundation.com

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِى هَٰذِهِ

(اے محمدؐ!) ہم انبیاء کے یہ سارے قصّے تم سے بیان کرتے ہیں تاکہ اس سے تمہارے دل کو تقویت دیں اور تمہارے پاس ان قصّوں

ٱلْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ۝ وَقُل لِّلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ٱعْمَلُوا۟ عَلَىٰ

میں حق بات اور مسلمانوں کے لئے وعظ و نصیحت کی بھی چیز پہنچ گئی جو لوگ ایمان نہیں لاتے تم ان سے کہہ دو کہ تم اپنی جگہ اپنے عمل کرو

مَكَانَتِكُمْ إِنَّا عَٰمِلُونَ ۝ وَٱنتَظِرُوٓا۟ إِنَّا مُنتَظِرُونَ ۝ وَلِلَّهِ غَيْبُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ

ہم بھی عمل کر رہے ہیں اور منتظر رہو ہم بھی منتظر ہیں اور آسمان و زمین کا علم غیب اللہ

ع ۱۰ ۱۰ وَٱلْأَرْضِ وَإِلَيْهِ يُرْجَعُ ٱلْأَمْرُ كُلُّهُۥ فَٱعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ۚ وَمَا رَبُّكَ بِغَٰفِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

ہی کو ہے اُسی کی طرف سارا کام لوٹایا جاتا ہے لہٰذا تم اُس کی عبادت کرو اور اُس پر بھروسہ رکھو تمہارا رب تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے

تفسیر یہ آیات پوری سورت کا نچوڑ ہیں۔ حاصل ارشاد یہ ہے کہ کفار و مشرکین قرآن کے بیان قصوں کو اوراقِ پارینہ کی داستانیں کہتے ہیں۔ ان کا یہ خیال غلط ہے۔ ہم نے بیان قصص میں دو فائدے ملحوظ رکھے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ کفار کی سرکشی، نافرمانی اور استہزاء کو دیکھ کر تمہارے دل میں جو کبیدگی، طبیعت میں اضمحلال اور دماغ میں مایوسی پیدا ہوتی ہے۔ گزشتہ انبیاء کے حالات، ان کی تبلیغی کوششیں اور ان کی قوموں کی سرکشی و نافرمانی کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ کبیدگی زائل ہو جائے۔ طبیعت میں سکون، دماغ میں اطمینان اور دل میں ثبات پیدا ہو جائے اور کفار کی ہر سرتابی و نافرمانی پر صبر کرو۔ دوسرے یہ کہ چونکہ ان تمام قصص میں حق و باطل کا امتیاز اور صداقت و کذب کا تفرقہ کر دیا گیا ہے، اس لئے اصل حقانیت واضح ہو جاتی ہے اور اصل حقانیت کے سمجھ میں آنے کے بعد اہل ایمان کو عملی اصلاح کا موقعہ ملتا ہے اور ان کو حیاتِ عاملہ کی درستگی کے لئے ایک درس حاصل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم اہل کفر کی تشنیع سے کشیدہ نہ ہو بلکہ ان سے کہہ دو کہ تم اپنے مرکز پر قائم رہو، ہم اپنا کام کئے جائیں گے تم بھی اپنے عقائد پر قائم رہو، ہم بھی کوشش کئے جائیں گے۔ تم بھی اپنے ثمراتِ عمل کے منتظر رہو، ہم بھی اپنے حاصل کوشش کے منتظر ہیں نتیجہ خود سامنے آجائے گا۔

اس سے آگے خدا تعالیٰ نے نہایت مختصر جامع الفاظ میں تعلیم الٰہی کا خلاصہ اور اسلام کا نچوڑ اپنے رسول کو خطاب کرتے ہوئے عام مسلمانوں کے لئے پیش فرمایا ہے جس کے تین ٹکڑے ہیں۔ اوّل کا تعلق اصلاح و عقائد سے ہے۔ دوسرے کا تعلق تقویٰ اور طہارت سے اور تیسرے کا تعلق معرفت و حقیقت سے ہے۔ اوّل نمبر کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ تمام جہاں میں جو چیز مخلوق کی نظر سے غائب ہے، اس کا باطنی اور حقیقی علم محض اللہ ہی کو ہے اس کے سوا اور کوئی غیب کا علم نہیں رکھتا۔ یہ اللہ کی مخصوص صفتِ کمالیہ ہے۔ پھر مرکزِ کل بھی یہی ہے۔ تمام قطرات اسی بحرِ ناپیدا کنار کی طرف لوٹتے ہیں۔ یہی مرجع کل ہے۔ یہ اس کی قدرتِ کاملہ ہے۔ جب یہ دونوں کمال اُسی کو حاصل ہیں لہٰذا اس کے ہی سامنے سرِ تسلیم خم کیا جائے اور اسی کی عبادت کی جائے۔ مال سے بھی، اعضاءِ بدنیہ سے بھی اور دل و جان سے بھی۔ یہ دوسرا درجہ تقویٰ، طہارت اور بیرونی درستگی کا ہے۔ اس کے بعد تیسرے درجہ کے متعلق فرماتا ہے کہ اس کی عبادت کرنے کے یہ معنی نہیں کہ پھر غیر کی طرف رجوع کیا جائے یا مرکزِ بیم و رجا کسی اور کو قرار دیا جائے۔ نہیں۔ بلکہ اس پر کامل بھروسہ رکھا جائے۔ اسباب کو اسباب جانتے ہوئے تمام اسباب کی باگ اللہ ہی کے ہاتھ میں سمجھی جائے اور اسی کو مرکزِ تمنا بنایا جائے۔ یہ آخری درجہ ہے اس درجہ میں آدمی کو پہنچ کر حق الیقین حاصل ہوتا ہے۔ اس سے آگے نوعِ انسان کے لئے اور کوئی مقام نہیں۔

toobaafoundation.com

مقصودِ بیان قصص انبیاء کے بیان سے جو غرض ہے اس کا اظہار آیت سے یہ بات ذرپردہ واضح ہوتی ہے کہ عبرت اندوزی کے لئے صحیح قصص بیان کرنا ناجائز نہیں بلکہ سنّتِ انبیاء اور طریقۂ قرآنی ہے۔ اس سے اصل مدعا کی تبلیغ میں کافی مددملتی ہے، لیکن غلط قصص بیان کرنا کسی طرح جائز نہیں۔ علم غیب صرف اللہ ہی کو ہے یعنی علم مخلوق کی وہاں تک رسائی نہیں ہے خواہ کوئی ولی ہو یا نبی۔ یہاں تک کہ سرورِ انبیاؐ کو اللہ کے مخصوص خزانۂ غیب کا پتہ نہیں۔ جتنا خدانے دے دیا مل گیا۔ باقی کا علم کچھ نہیں جس طرح مرکزیت کل ہونا اللہ کی مخصوص شان ہے اسی طرح عالم الغیب ہونا خاص صفتِ کمالیہ ہے، مرکزیت بیم ورجاء اللہ ہی ہے۔ اسی پر توکل رکھنا لازم ہے، لیکن اسباب کو چھوڑ دینا بھی حماقت ہے۔ ہاں اسباب کو مسبّب اور آثار کو مؤثر سمجھنا خلافِ توکل بلکہ خلافِ اسلام ہے۔ اس سے آدمی کافر ہو جاتا ہے وغیرہ۔

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سورۂ یوسف مکہ میں نازل ہوئی اس میں ایکسو گیارہ آیتیں ہیں اور بارہ رکوع ہیں

اس سورت میں کل ایک سو گیارہ (۱۱۱) آیات، ایک ہزار نو سو چھیانوے (۱۹۹۶) کلمات اور سات ہزار ایک سو چھیتر (۷۱۷۶) حروف ہیں۔ بعض اہلِ روایت کا خیال ہے کہ ہجرت کے وقت مکہ اور مدینہ کے درمیان اس کا نزول ہوا۔ ابن عباسؓ اور قتادہ کے قول کے مطابق چار آیات کے علاوہ باقی سورت مکی ہے، لیکن اکثر محققین کی رائے ہے کہ کل سورت مکی ہے۔ حافظا در قرطبی نے اسی پر جزم کیا ہے۔ مفسر سراج نے بھی اسی کو پسند کیا ہے۔ سبب نزول میں اختلاف ہے۔ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضورؐ سے یہودیوں نے سوال کیا کہ آپ ہم سے یعقوبؑ اور ان کی اولاد کا حال بیان کریں اُس وقت یہ سورت نازل ہوئی۔ سورت چونکہ بالاجماع مکی ہے، اس لئے یہودیوں کے سوال کرنے پر نزولِ سورت کی کوئی وجہ نہیں۔ اسی بنا پر دیگر مفسرین نے بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے مکہ کے کافروں سے کہلا بھیجا کہ محمدؐ جو عاد وثمود کے حالات بیان کرتا ہے یہ کچھ مشکل بات نہیں، عرب کے مشہور ومعروف واقعات ہیں۔ ہاں اس سے پوچھو کہ یعقوبؑ کی اولاد مصر میں کیوں گئی تھی اور یوسف اور اس کے بھائیوں میں کیا معاملہ گزرا اور یوسف مصر کیوں پہنچا؟ یہ باتیں بجز مورخینِ اہلِ کتاب کے ان پڑھ آدمی خصوصاً مکہ کا رہنے والا کہ جہاں ان باتوں سے کان بھی آشنا نہیں، ہرگز نہ بتا سکے گا۔ چنانچہ اہلِ مکہ نے حضرتؐ سے حسبِ ہدایت یہود سوال کیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ ابن جریر وحاکم نے بروایت سعدبن ابی وقاص اور صرف ابن جریر نے بروایت ابن عباسؓ بیان کیا ہے کہ حضورؐ پر قرآن نازل ہوا تو ایک مدت تک آپؐ لوگوں کو سناتے رہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضورؐ ہم اُمید وار ہیں کہ گزشتہ اقوام کے کچھ حالات آپ بیان فرما دیتے تو آیات الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الخ نازل ہوئیں۔ پھر صحابہ نے حدیث کی آرزو کی تو آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا۔ الخ نازل ہوئی۔ عون بن عبداللہ کی مرسل روایت کے آخر میں ہے کہ صحابہ نے حدیث چاہی تو اللہ نے ان کو احسن الحدیث کی راہ بتلائی اور قصہ کی خواستگاری کی تو احسن القصص کا راستہ بتا دیا۔ سعید بن جبیر کی روایت کے آخر میں ہے کہ صحابہ نے خدمتِ کرامی میں عرض کیا حضورؐ گزشتہ لوگوں کے حالات بیان فرمایئے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

حافظ ابن عساکر نے مختلف روایات کی باہمی تائید سے اس روایت کی تفضیلت میں حضور اقدسؐ کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ اپنی باندی اور غلاموں کو یہ سورت سکھاؤ۔ کیونکہ جو مسلمان اس کو پڑھے گا یا سکھائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی سکرات موت کو آسان کر دے گا اور اس کو ایسی قوت عطا فرما دے گا کہ وہ پھر کسی مسلمان پر حسد نہ کرے گا یعنی اس کی حالت قابلِ رشک ہو جائے گی وغیرہ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

toobaafoundation.com

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۟ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۟ نَحْنُ نَقُصُّ

یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں ہم نے اس کو عربی زبان کا قرآن اتارا ہے تاکہ تم سمجھ سکو ہم وحی کے ذریعے

عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۟

سے قرآن تمہارے پاس بھیج کر ایک عمدہ قصہ تم سے بیان کر رہے ہیں اگرچہ تم اس سے پہلے بے خبر تھے

تفسیر تفسیر آیات سے قبل ہم پورا قصہ حقانی سے اخذ کر کے لکھتے ہیں۔ اس میں کچھ اقتباس اسلامی کتب کا ہے اور کچھ اہل کتاب کی کتابوں کا اور کچھ موجودہ زمانے کی تحقیقات کا۔ اختلافی نوٹ ہر تفسیر کے موقعہ پر لکھا جائے گا۔

حاران سے کوچ کر کے حضرت ابراہیم ملک کنعان میں حیرون کے پاس مقیم ہوئے۔ آپ کی رہائش خیموں میں تھی۔ اسحٰق بھی اسی جگہ سکونت پذیر تھے۔ آپ کے بڑے صاحبزادے عیص کوہ شعیر میں جا بسے اور یعقوب اپنے باپ کی وصیت کے بموجب حاران سے چل کر اپنے حقیقی ماموں نحور کے بیٹے لابن کے ہاں گئے۔ نحور کی دو بیٹیاں تھیں۔ لیاہ جس کی آنکھیں چوندھی تھیں اور چھوٹی راحل یا راحیل جو بہت خوبصورت تھی۔ یعقوب کو راحل پسند آئی۔ سات برس تک لابن کی بکریاں چرائیں، آخر راحل سے نکاح ٹھہر گیا، لیکن نکاح کی صبح کو اپنے پاس بجائے راحل کے لیاہ کو پایا۔ ماموں سے شکایت کی تو ایک ہفتے کے بعد ماموں نے راحل سے بھی نکاح کر دیا۔ لیاہ کے جہیز میں ایک لونڈی زلفہ بھی آئی تھی۔ حضرت یعقوب کی اولاد بترتیب ذیل ہوئی۔ لیاہ کے بطن سے روبن پھر سنفون پھر لاوی پھر لیواوہ پھر اشکار پھر زبلون پیدا ہوئے۔ زلفہ کے بطن سے جد اور آشر پیدا ہوئے اور راحل کے شکم سے یوسف اور پھر بن یمین پیدا ہوئے۔ راحل کے جہیز میں جو بلہ نامی جو لونڈی آئی تھی اس کے بطن سے ذان اور نفتالی ہوئے۔ یہ کل بارہ بیٹے ہوئے۔ بیس برس کے بعد یعقوب اپنے اہل وعیال کو لے کر کنعان میں آگئے اور سیلون نامی گاؤں میں سکونت پذیر ہو گئے۔ سیلون، ہنجل اور نابلس کے وسط میں واقع تھا۔ نابلس کا قدیم نام سکم تھا۔ یہ بیت المقدس سے تیس میل اور سرما سے سات میل پر واقع ہے۔ اسی کے قریب دو ڈیڑھ میل کے فاصلے پر وہ کنواں ہے جس میں بھائیوں نے یوسف کو ڈالا تھا۔ اسی کے قریب ایک احاطہ کے اندر یوسفؑ اور یعقوبؑ کی قبریں ہیں۔ یوسف کی عمر سترہ برس کی تھی اور آپ راحیل متوفیہ کی یادگار تھے اور حسن میں بھی سب سے ممتاز تھے۔ والد کو آپ سے سب اولاد سے زیادہ محبت تھی۔ ایک روز آپ نے خواب میں دیکھا کہ چاند سورج اور گیارہ ستارے مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ صبح کو باپ سے خواب کہا۔ باپ علم نبوت سے واقف تھے۔ فوراً یوسف کو منع کر دیا کہ اپنے بھائیوں سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ بمقتضائے کمسنی یوسف نے باوجود ممانعت کے خواب کا تذکرہ کر دیا۔ بھائیوں کو رشک پیدا ہوا۔ یعقوب کی تمام اولاد نابلس کی وادی میں بھیڑ بکریاں چرایا کرتی تھی۔ ایک روز وہاں پہنچ کر سب نے یوسفؑ کے قتل کر ڈالنے کا ارادہ کیا، مگر سب سے بڑے بھائی روبن نے ممانعت کی اور کہا خونریزی نہ کرو، اس کو ایک کنوئیں میں ڈال دو۔ چنانچہ یوسفؑ کو ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دیا اور خود جا کر کھانا کھانے بیٹھ گئے۔ اتنے میں اسماعیلیوں کا ایک قافلہ آتا دکھائی دیا جو جلعاد سے گرم مصالحہ اور روغن بلسان لاد کر مصر لے جانا چاہتا تھا۔ قافلے نے آکر ڈیرہ کیا اور کنوئیں پر پانی لینے کے لئے کسی کو بھیجا۔ جونہی اس شخص نے کنوئیں میں ڈول ڈالا۔ یوسفؑ نے ڈول پکڑ لیا۔ رسی اوپر کھینچی تو اوپر نکل آئے۔ قافلے کو خبر ملی تو اہل قافلہ نے یوسف کو چھپا لیا۔ بھائیوں کو بھی برآمدگی کی اطلاع مل گئی تھی ان کا بھی خفیہ آدمی لگا ہوا تھا۔ روبن فوراً کنوئیں پر پہنچا لیکن یوسف کو نہ پایا پھر یہودا کی صلاح سے سب نے بالاتفاق یوسف کو قافلہ والوں کے ہاتھ بیس درم کو بیچ ڈالا اور جو کرتا یوسف کا اتار لیا تھا اس کو بکری کے بچے کے خون سے رنگین کر کے باپ کے پاس شام کو لے گئے اور کہہ دیا کہ بھیڑیے نے یوسف کو پھاڑ ڈالا اور اپنے قول کے ثبوت میں خون آلود کرتہ پیش کر دیا۔ حضرت یعقوب نے فرمایا اس میں کچھ سازش ہے وہ کیسا بھیڑیا تھا کہ یوسفؑ کو تو پھاڑ کر کھا گیا اور پیرہن کسی جگہ سے نہ پھٹا۔ خیر اللہ مالک ہے اب مجھے رونے کے سوا کچھ کام نہیں۔ قبر تک روتا جاؤں گا۔ ادھر قافلے والوں نے مصر

toobaafoundation.com

پہنچ کر وطیفار یا بوتیاد کے ہاتھ یوسف کو فروخت کر دیا اور گراں ترین قیمت وصول کی۔ بوتیا رامیر کبیر اور مصر کی حکومت کا وزیر اعظم تھا۔ اسی کا لقب عزیز تھا۔ عزیز نے یوسف کو لے جا کر اپنے گھر بار اور تمام کارخانوں کا مختار کر دیا اور اپنی بیوی کنعان کی عزت و توقیر کی تاکید کی۔ یوسف پیکر نور اور مجسمہ جمال تھے، عزیز کی بیوی ان پر ریجھ گئی اور ایسی فریفتہ ہوئی کہ عزت و ناموس کی بھی پرواہ نہ کی اور طرح طرح سے یوسف کو فریب دے کر ترغیب دی اور وصل کی خواستگاری کی۔ پیغمبر ہونے والا انسان پہلے سے ہی معصوم ہوتا ہے۔ یوسف نہ مانے مجبوراً زلیخا نے ایک روز تخلیہ پا کر پیرہن پکڑ لیا اور سرہو گئی۔ یوسف پیرہن کا ٹکڑا اس کے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگے۔ پیچھے یہ بھی بھاگی دروازے پر عزیز آتا ہوا بولا عورت تمثال کر ہے۔ فوراً زلیخا نے یہ بات بنائی اور اُلٹا یوسف پر الزام لگایا کہ یہ مجھ سے بُرا ارادہ رکھتا تھا میں نے شور مچایا تو پیراہن میرے ہاتھ میں چھوڑ کر بھاگا۔ عزیز نے یوسف کو ملامت کی۔ یوسف نے انکار کیا۔ زلیخا کے گھر والوں میں سے ایک شیر خوار بچے نے بقدرت الٰہی شہادت دی کہ اگر کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہے تو یہ سچی ہے اور اگر پیچھے کا دامن پھٹا ہوا ہے تو یوسف سچا ہے۔ کرتا پیچھے سے پھٹا ہوا تھا۔ عزیز کو یوسفؑ کی صداقت ظاہر ہو گئی۔ زلیخا کو ملامت کی، یوسفؑ کو تسلی دی اور اخفاء معاملہ کی ہدایت کر دی عشق اور مشک چھپائے سے نہیں چھپتا۔ رفتہ رفتہ مصر کی امیر زادیوں اور شہزادیوں کو خبر پہنچ گئی۔ سب نے زلیخا کو آڑے ہاتھوں لیا کہ اپنے غلام سے منہ کالا کرنا چاہتی ہے۔ زلیخا نے اپنی مجبوری اور برأت کے اظہار کے لئے ایک روز سب عورتوں کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد پھل سامنے آئے۔ زلیخا نے سب عورتوں کے ہاتھوں میں ایک ایک پھل اور اس کے کاٹنے کے لئے ایک ایک چھری دے دی۔ اُدھر یوسف کو بناسنوار کر ایک جگہ چھپا رکھا تھا اور کہہ دیا تھا کہ جب میں اشارہ کروں تو تم فوراً ان عورتوں کے سامنے سے گزرنا۔ جونہی عورتوں نے ترنج اور چھریاں ہاتھوں میں لیں زلیخا نے یوسف کو اشارہ کیا وہ برآمد ہوئے عورتیں دیکھ کر ششدر رہ گئیں ہوش و حواس درست نہ رہے اور بجائے ترنج کے چھریوں سے ہاتھ کاٹ لئے۔ اُس وقت زلیخا نے طعن کے طور پر کہا کیوں اب وہ تمہاری ملامت و سرزنش کہاں گئی۔ یہی تو وہ شخص ہے جس کے عشق پر مجھے ملامت کرتی تھیں۔ اس کے بعد بولی اگر اب بھی یہ میرا کہنا نہ مانے گا تو سخت ذلیل ہوگا میں اسے جیل بھجوا دوں گی، وہاں اس کو یہ عیش و آرام یاد آئے گا۔ یوسف بولے مجھے اس نعمت سے قید پسند ہے۔ زلیخا کا دل تو نہ چاہتا تھا، مگر تمام لالچ کے ذرائع ختم ہو چکے تھے۔ خیال کیا کہ شاید تکلیف اٹھا کر یہ راہِ راست پر آجائے۔ یہ سوچ کر عزیز سے کہا کہ تمام مصر کی عورتیں مجھے بدنام کرتی ہیں اس کو دفع کرنے کی صرف ایک شکل ہے کہ یوسف کو قید کر دیجئے نہ یہ ہوگا نہ میری بدنامی ہوگی اور گزشتہ بدنامی بھی دھل جائیگی۔ عزیز کو یوسف کی صداقت تو ظاہر ہو ہی چکی تھی، مگر بدنامی کو رفع کرنے کے لئے اس نے یوسف کو جیل بھجوا دیا۔ اسی دوران میں دو اور شخص جیل میں پہنچے۔ ایک شاہی ساقی دوسرا خانساماں۔ ان دونوں پر بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کرنے کا الزام تھا۔ ایک روز ان دونوں نے خواب دیکھا اور چونکہ یوسف جیل خانہ میں نیک اور پاک دامن مشہور ہو گئے تھے، اس لئے ہر ایک نے اپنا اپنا خواب آپ سے بیان کیا۔ ساقی نے کہا میں نے ایک انگور کا درخت دیکھا، اس کی تین شاخیں نکلیں، ہر شاخ میں پھول پھل آئے اور اس کے گچھوں میں انگور آئے۔ فرعون کا خاص پیالہ میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے اس میں انگوروں کو نچوڑا اور فرعون کے ہاتھ میں دیا۔ دوسرے نے کہا میں نے دیکھا کہ میرے سر پر تین خوان روٹیوں کے ہیں اور کے خوان میں پرندے جھپٹے مار کر روٹیاں لئے جا رہے ہیں۔ یوسف نے تعبیر دینے سے پہلے اعلانِ توحید کیا، دینِ حق کی ہدایت کی اور چند نصیحتوں کے بعد فرمایا تین خوشوں سے مراد تین دن ہیں۔ تین روز کے بعد ساقی اپنے عہدے پر بحال ہو جائے گا اور دوسرے سے فرمایا تین خوانوں سے بھی مراد تین دن ہیں۔ تین روز کے بعد جس طرح ساقی اپنے عہدے پر بحال ہوگا تجھے سولی دی جائے گی اور پرندے تیرے سر کا بھیجا کھائیں گے۔ چنانچہ تین روز کے بعد ساقی کو پہلے عہدے پر مامور کیا گیا اور خانساماں کو پھانسی دے دی گئی۔ یوسف نے ساقی سے کہہ دیا تھا کہ جب تو فرعون کے دربار میں پہنچے تو میرا حال کہہ دینا کہ ایک غریب پردیسی جس کو بھائیوں نے غلام بنا کر بیچا، پھر مصر میں آکر وہ تیرے عزیز کے ہاتھ فروخت ہوا۔ اس عزیز کی بیوی نے تہمت لگا کر قید کرا دیا ہے وہ بے قصور ہے اس کو چھوڑ دیا جائے۔ جس کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے اس کو مشکل بھی زیادہ ہوتی ہے۔ ذرا سی بات پر گرفت کر لی جاتی ہے۔ خدا تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی کہ اس کا خاص بندہ دوسروں سے التجا کرے۔ حکم ہوا کہ دوسروں سے درخواست کرنے کی پاداش میں ابھی اتنی ہی اور قید بھگتو گے۔ چنانچہ ساقی جب بحال ہو کر سابقہ خدمت پر پہنچا تو اس کو یوسف کی یاد بھی نہ رہی۔ چند سال کے بعد

toobaafoundation.com

فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ وہ لب دریا کھڑا ہے۔ دریا کے اندر سے سات موٹی خوبصورت گائیں نکلیں اور نیستان میں چرنے لگیں۔ اس کے بعد اور سات گائیں دُبلی بدنما دریا سے برآمد ہوئیں اور گھاٹ پر آکر کھڑی ہوئیں اور ان موٹی گاؤں کو کھا گئیں۔ یہ ہیبت ناک خواب دیکھ کر فرعون کی آنکھ کھل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر سو گیا۔ دوبارہ خواب میں دیکھا کہ ایک ٹہنی میں سات بالیاں سرسبز دانوں سے بھری ہوئی نکلیں اور ان کے بعد سات بالیاں اور نمودار ہوئیں جو خشک اور پتلی تھیں۔ خشک بالیاں سبز بالیوں کو لپٹ گئیں اور ان کو کھا گئیں۔ غرض سبھی کو فرعون جاگا اور مصر کے تمام کاہنوں، نجومیوں اور دانش مندوں کو جمع کر کے خواب کی تعبیر دریافت کی۔ سب نے بالاتفاق کہا یہ یوں ہی واہی خیالات ہیں ہم ان کی تعبیر نہیں دے سکتے۔ اس وقت بحکم الٰہی ساقی کو حضرت یوسفؑ کی یاد ہوئی۔ فرعون سے فوراً عرض کیا جب میں اور خانساماں قیدخانہ میں تھے تو ہم نے وہاں ایک خواب دیکھا تھا۔ وہاں یوسف نامی ایک عبرانی جوان بھی قید تھا اُس نے ہمارے خوابوں کی تعبیر دی تھی اور جیسی تعبیر دی تھی ویسا ہی ہوا۔ اگر حکم ہو تو قیدخانہ جا کر اس سے پوچھ کر آؤں۔ حسب الحکم ساقی یوسف کے پاس آیا اور بادشاہ کا خواب بیان کیا۔ آپ نے فرمایا یہ ایک ہی خواب ہے۔ خدا تعالیٰ نے اس کو دو بارہ یوں دکھایا ہے کہ یہ واقعہ ضرور ہونے والا ہے، فیصلۂ الٰہی ہو چکا ہے۔ وہ موٹی سات گائیں اور سات سبز بالیاں ارزانی کے سات سال ہیں۔ ان سالوں میں خوب بارش، خوب پیداوار اور خوب ارزانی ہوگی اور وہ سات دُبلی گائیں اور سات خشک بالیاں قحط کے سات سال ہیں۔ ارزانی کی ہفت سالہ مدت کے بعد ہفت سالہ قحط پڑے گا جو گزشتہ ارزانی کے زمانے کے تمام اندوختہ کو کھا جائے گا۔ فرعون کو چاہیئے کہ وہ ایک ہوشیار آدمی دیہات کے بندوبست کے واسطے مقرر کر دے تاکہ تحصیلداروں کے ذریعہ سے ارزانی کے زمانے میں کم سے کم ضروری خوراک کے علاوہ تمام غلہ جمع کر لیا جائے اور پھر قحط کے زمانے میں اس اندوختہ کو صرف کیا جائے اور چونکہ سات سال تک غلہ کی بقا مشکل ہے گھن کے کھا جانے اور گل جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے بالیوں میں ہی دانے محفوظ رکھے جائیں جب ہفت سالہ قحط گزر جائے گا تو بہت بارش ہوگی اور خوب پیداوار ہوگی۔ ساقی نے واپس آکر فرعون سے بیان کیا اُس نے سُن کر بہت پسند کیا اور تمام اسٹاف نے تائید و تحسین کی۔ فرعون ملاقات کا مشتاق ہوا اور خاص ہرکارہ کو یوسف کے بلانے کے لئے بھیجا۔ آپ نے فرمایا رہائی سے قبل میرے اُس جُرم کی تحقیق کر لو جس کی پاداش میں مجھے قید کیا گیا ہے۔ مصر کی امیرزادیوں سے دریافت کر لیا جائے کہ اُن کے سامنے عزیز کی بیوی نے مجھے بلایا تھا اور اُن کے ہاتھ چھری سے کٹ گئے تھے، ان سے دریافت کرنے پر حقیقت ظاہر ہو جائے گی۔

چنانچہ بادشاہ نے مصر کی امیرزادیوں کو بلایا اور سب سے دریافت کیا۔ سب نے اور خود عزیز کی بیوی نے یوسف کی پاک دامنی کا اقرار کیا۔ آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا میں اس بات سے کچھ اپنا تفاخر نہیں چاہتا، میں بھی انسان ہوں میرے ساتھ بھی نفس ہے، لیکن اللہ جس کو چاہتا ہے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ غرض آپ فرعون کے پاس گئے۔ فرعون نے آپ کے حسن صورت اور خداداد دیانت سے سلیقۂ انتظام کا اندازہ کر لیا اور فریفتہ ہو گیا اور کہنے لگا میں نے تجھے اپنی کل رعایا کا مختار کیا۔ سوا تخت نشینی کے اور کوئی مرتبہ تجھ سے باقی نہیں رکھا، اب تو میرا نائب اور مختار کل ہے جو چاہے کر۔ اس کے بعد اپنی انگشتری آپ کو پہنا دی۔ آپ نے ملک کا پورا انتظام اور قحط سے مقابلہ کرنے کا بندوبست کیا۔ حضرت یوسف نے سات برس تک خوب کاشت کرائی اور جتنی پیداوار ہوئی سوائے ضروری مصارف کے سب کو خرید کر جمع کرا دیا۔ آٹھویں سال قحط شروع ہوا۔ بارش نہ ہوئی۔ مصر، شام اور کنعان وغیرہ کے لوگ جیخ اُٹھے تو یوسفؑ نے مناسب نرخ مقرر کر کے دیسی اور پردیسی سب کو اسی بھاؤ غلہ دینا شروع کر دیا۔ البتہ پردیسی کو ایک اونٹ سے زیادہ دینے کا حکم نہ تھا۔ پہلے ہی سال قحط زدہ مخلوق کی کل نقدی خرچ ہو گئی۔ دوسرے سال زیور اور جواہر کے عوض غلہ خرید کر کھایا۔ تیسرے سال چوپائے اور مویشی فروخت کئے۔ چوتھے سال باندی غلام بیچے۔ پانچویں سال تمام جائیداد و مکانات فروخت کئے چھٹے سال اولاد کو بیچا اور ساتویں سال تمام اہل مصر اپنے آپ کو فروخت کر کے یوسف کے غلام ہو گئے۔ اس ہفت سالہ قحط کا اثر چونکہ دُور دُور پہنچ گیا تھا، اس لئے کنعان بھی اس سے نہ بچ سکا۔ نیز شہرت بھی چاروں طرف پھیل گئی کہ مصر میں سلطنت کی طرف سے سستی قیمت پر غلہ فروخت ہوتا ہے۔ چنانچہ یوسفؑ کے دسوں بھائی بن یامین کو باپ کے پاس چھوڑ کر غلہ لینے مصر آئے۔ مدت دراز گزر چکی تھی اور کسی یوسفؑ کی حالت کے انقلاب کا واہمہ بھی نہ تھا، اس لئے کسی نے یوسف کو نہ پہچانا، مگر آپ نے پہچان لیا اور ناواقف بن کر پوچھا تم کون ہو؟ کہاں سے

toobaafoundation.com

آئے ہو؟ شاید جاسوس ہو اس ملک کی خراب حالت دریافت کرنے آئے ہو؟ بھائیوں نے کہا نہیں ہم جاسوس نہیں ہیں بلکہ آپ کے غلام ہیں۔ ایک ہی باپ کے بارہ بیٹے تھے ایک کھو گیا ایک کو باپ کی تسلی کے لئے چھوڑ آئے ہیں اور دس حاضر ہیں۔ کنعان کے رہنے والے ہیں غلہ لینے آئے ہیں۔ آپ نے دس اونٹ غلہ سے بھروا دئے۔ بھائیوں نے کہا ہمارا گیا رہواں بھائی بھی ہے جو باپ کے پاس رہ گیا ہے، اُس کا بھی حصہ دے دیجئے۔ یوسفؑ نے کہا کہ یہ بات تو خلاف ضابطہ ہے۔ ہاں اگر سچے ہو تو یہ بات ہو سکتی ہے کہ تم اپنے ایک بھائی کو یہیں میرے پاس چھوڑ جاؤ باقی غلہ لے کر جاؤ اور پھر اپنے چھوٹے بھائی کو لے کر آؤ۔ یوسفؑ چونکہ خود اپنے بھائی سے ملنا چاہتے تھے، اس لئے اس کی تدبیریں کیں۔ اوّل تو اپنی مہمان نوازی ظاہر کر کے وعدہ کیا کہ اگر اب کی مرتبہ بھائی کو لے کر آئے تو ایسی ہی خاطر پھر کی جائے گی۔ دوسرے دھمکی بھی دی کہ اگر نہ لائے تو میں سمجھوں گا کہ جھوٹے ہو اور تمہارا حصہ بھی آئندہ سوخت ہو جائے گا۔ تیسرے جو کچھ غلہ کی قیمت (کچھ درہم یا چمڑہ کا سامان وغیرہ) بھائیوں نے پیش کی تھی وہ بھی ان کے اسباب میں چھپا کر غلہ کے ساتھ اونٹوں پر لدوا دی تاکہ گھر پہنچ کر جب اُن کو غلہ کے اندر اپنا سامان ملے تو نبی زادگی کے اقتضاء اور دیانت و ایمان داری کے زیر اثر واپس لانے پر مجبور ہوں۔ غرض شمعون کو یوسفؑ کے پاس چھوڑ گیا باقی بھائی لوٹ کر باپ کے پاس آئے۔ کل سرگذشت بیان کی اور بن یامین کو ساتھ بھیجنے کی درخواست بھی کی۔ حضرت یعقوبؑ کو یہ کیفیت سُن کر رنج ہوا۔ بولے میرا بیٹا تمہارے ساتھ نہ جائے گا۔ اُس کا بھائی مر گیا وہ اکیلا رہ گیا اگر راستہ میں اُس پر کچھ آفت آئی تو تم میرے بڑھاپے کے بالوں کو غم کے ساتھ گور میں اتار دو گے۔ کچھ زمانہ اسی میں گذر گیا لایا ہوا غلہ ختم ہو گیا تو یعقوبؑ سے پھر بامرار استدعا کی۔ آپ نے فرمایا اچھا تو پختہ قول قسم کر واللہ کو ضامن بناؤ کہ جب تک تم خود نہ گھر جاؤ اس کو چھوڑ کر نہ آؤ گے۔ یہوداہ نے کہا میں ضامن ہوتا ہوں، آپ مجھ سے لینا اگر واپس لا کر نہ اس کو آپ کے پاس بٹھا دوں تو ابد تک اس کا گناہ مجھ پر رہے گا۔ حضرت نے قول قرار لے کر بن یامین کو ساتھ کر دیا۔ جو نقدی اور سامان غلہ کے بوروں میں ملا تھا اس کو بھی واپس لے جانے کا حکم دیا۔ کچھ میوے، گرم مصالحہ، شہد اور روغن بلساں بطور ہدیہ ساتھ کیا اور چونکہ سب بھائی تندرست، حسین اور قوی تھے، اس لئے نظر بد کے خوف سے صرف شفقت پدری کے تحت فرمایا کہ ایک دروازے سے سب مل کر نہ داخل ہونا۔ اگرچہ یعقوبؑ خوب جانتے تھے کہ تقدیر الٰہی کو کوئی تدبیر پلٹ نہیں سکتی پھر بھی عالم اسباب کا لحاظ کرتے ہوئے شفقت پدری کا اظہار فرمایا۔ جب سب بھائی مصر پہنچے تو گزشتہ قیمت اور ہدایا تحائف جو کچھ ساتھ لائے تھے شاہی ملاحظہ میں پیش کی۔ بن یامین کو دیکھ کر کہا کیا تمہارا چھوٹا بھائی یہی ہے؟ اس کے بعد فرمایا اے میرے فرزند! خدا تجھ پر مہربان ہے۔ کہنے کو یہ لفظ کہہ دیا، مگر دل بھر آیا ضبط نہ ہو سکا خلوت خانہ میں تشریف لے گئے اور خوب روئے۔ کھانا کھلانے کا وقت آگیا اور دسترخوان چُنا گیا اور دو بھائیوں کو ساتھ بٹھایا گیا۔ بن یامین اکیلا رہ گیا اور یوسف کو یاد کر کے رونے لگا۔ یوسف نے کہا بن یامین کیوں روتا ہے؟ اپنے بھائی یوسف کی بجائے مجھے اپنا بھائی سمجھ لے، کیا یہ بات تجھے پسند نہیں؟ بن یامین نے کہا آپ کو بھائی کہنا میرا فخر ہے، مگر آپ میرے باپ یعقوب اور ماں راحیل سے پیدا نہیں ہوئے۔ حقیقی بھائی یوسف کی آگ کیوں کر بجھے؟ یوسفؑ سے یہ سُن کر ضبط نہ ہو سکا، رو دئے اور بیتاب ہو کر چہرہ سے حجاب ہٹا دیا اور بولے تیرا بھائی یوسفؑ میں ہی ہوں۔ بن یامین لپٹ گیا۔ یوسفؑ نے اخفاء راز کی تاکید کر دی اور بن یامین کو روکنے کے لئے یہ تدبیر کی کہ ایک شاہی چاندی کا پیالہ بن یامین کے بورے کے اندر رکھ دیا۔ جب وہ سب غلہ لے کر روانہ ہو گئے تو پیچھے سے آدمی دوڑایا کہ تم ہمارا پیالہ لے گئے ہو؟ انھوں نے انکار کیا۔ یوسفؑ نے کہا اگر کسی کے سامان میں پیالہ نکل آئے تو اس کی کیا سزا ہو گی؟ انھوں نے اقرار کیا کہ ہم چور نہیں۔ دیکھئے ہم نے اپنے اونٹوں کے مُنہ پر جالی لگا رکھی ہے تاکہ کسی کے باغ یا کھیت کا نقصان نہ کریں۔ ہمارا خاندان نبوت کا خاندان ہے۔ اگر ہم میں سے کسی کے سامان میں شاہی پیالہ نکل آئے تو اس چور کی سزا بس یہی ہے کہ اس کو غلام بنا لیا جائے۔ حضرت یوسفؑ نے سامان کی تلاشی شروع کرائی۔ ہوتے ہوتے بن یامین کے اسباب میں پیالہ ملا۔ بھائیوں نے بن یامین کو سرزنش شروع کی اور بولے اسی پر منحصر نہیں اس کا بھائی بھی اس سے پہلے چوری کر چکا تھا۔ یہوداہ چونکہ باپ سے اپنی ضمانت دے کر لایا تھا، اس لئے یوسفؑ سے کہنے لگا ہمارا باپ بوڑھا ہے وہ سُن کر مر جائے گا اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو آپ رکھ لیجئے۔ یوسفؑ نے جواب دیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ چوری کوئی کرے اور سزا بھگتے کوئی دوسرا پھر سب

toobaafoundation.com

بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ روبین نے کہا کہ میں تو یہاں سے نہیں جا سکتا تا وقتیکہ براہ راست اللہ کا حکم میرے پاس نہ آجائے یا باپ کی اجازت نہ ہو۔ تم جا کر والد سے ماجرا بیان کر دو اور کہہ دو کہ ہم نے اپنے علم کے مطابق ضمانت کی تھی غیب کا علم ہم کو نہ تھا آپ کے بیٹے نے چوری کی اور پکڑا گیا ہمارا اس میں کچھ قصور نہیں۔ یہ لوگ کنعان گئے، خبر سنائی۔ حضرت یعقوب کو انتہائی صدمہ ہوا اور روتے روتے آنکھیں سفید اور بے نور ہو گئیں، مگر صبر کے سوا چارہ کیا تھا۔ بیٹوں پوتوں نے کہا کب تک آپ اپنی جان دھنیں گے۔ یوسف کی یاد آپ کے دل سے جاتی ہی نہیں۔ ہمیں ڈر ہے کہ یہ یاد آپ کی جان لیوا نہ بن جائے۔ حضرت یعقوب نے فرمایا میں تم کو تو کچھ تکلیف نہیں دیتا اللہ ہی کے سامنے اپنے رنج و حزن کا اظہار کرتا ہوں اور چونکہ حضرت یعقوبؑ کو بفراست یا بنور نبوت یہ یقین تھا کہ یوسفؑ کی گزشتہ خواب کا پورا ہونا لازم ہے۔ بھائیوں سمیت اُس کا زندہ رہنا ضرور ہے، اس لئے فرمایا اللہ نے جو علم مجھ کو عطا فرمایا ہے تم کو نہیں دیا۔ تم کو نہیں معلوم کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ ناامیدی کافروں کا شیوہ ہے۔ پھر جاؤ اور دونوں بھائیوں کی تلاش کرو۔ حسب الحکم اولاد یعقوب پھر مصر پہنچی۔ عزیز کے دربار میں حاضری دی۔ باپ کا سلام کہا جو کچھ کھوٹے سکے ساتھ لائے تھے وہ بھی پیش کئے اور چشم پوشی و احسان کے طالب ہوئے۔ اپنی گرسنگی اور نسل یعقوبؑ کی شکستہ حالی بھی ظاہر کی اور آخر میں باپ کا پیام بھی پہنچا دیا کہ اے عزیز! میرا ایک بیٹا تو پہلے گم ہو چکا اُس کا چھوٹا بھائی رہ گیا تھا اُس کو آپ نے روک لیا۔ رحم فرما کر اس کو چھوڑ دیجئے تاکہ میری تسلی ہو۔ اختتام عرض داشت کے وقت یہ بھی کہا کہ ہمارے باپ نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اگر بن یامین کو نہ چھوڑو گے تو ایسی بددعا کروں گا جس کا اثر تمہاری سات نسلوں تک باقی رہے گا۔ یوسفؑ پیام یعقوب سُن کر ڈر گئے اور اپنے کنبہ کی خستہ حالی دیکھ کر کچھ نہ کر سکے بولے کیا تم کو یاد ہے کہ تم نے اپنے بھائی یوسف کے ساتھ کیا کیا تھا؟ یوسفؑ کا نام سُن کر یہ چکرائے کہ عزیز مصر کو یوسف سے کیا واسطہ، اس کو اس کی حالت کا کیا علم! پھر غور کیا تو کچھ کچھ پہچانا بھی، اس لئے بول پڑے کیا سچ مچ تم ہی یوسفؑ ہو؟ حضرت یوسفؑ نے جواب دیا ہاں میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی ہے۔ سب نے اپنے قصور کا اعتراف کیا۔ یوسف نے خطا معاف کی۔ یہ خبر مصر میں مشہور ہو گئی اور فرعون کو پہنچی، اُس نے یوسفؑ سے ان کے تمام خاندان کو بلانے کی درخواست کی۔ یوسف نے اپنا کرتا بھائیوں کو دیا۔ بڑا ساز و سامان درست کر کے روانہ کرنا چاہا اور کہہ دیا کہ میرے باپ کے مُنہ پر یہ کرتا جا کر ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے اور یہ بھی کہا کہ اپنے تمام خاندان کو میرے پاس لے آؤ۔ قافلہ مصر سے چل دیا جب کنعان تین روز کی مسافت پر رہ گیا تو حضرت یعقوبؑ کو پیراہن یوسفؑ کی بُو محسوس ہوئی۔ پوتوں سے تذکرہ کیا۔ انھوں نے دیوانہ بنایا۔ تین روز کے بعد یہوداہ کرتا لے کر پہنچ گیا اور جاتے ہی باپ کے چہرے پر ڈالا، فوراً آنکھیں روشن ہو گئیں۔ یہوداہ نے یوسف اور بن یامین کی خیریت اور مصر میں یوسفؑ کا جاہ و جلال بیان کیا۔ سب بیٹے باپ کے قدموں پر گر پڑے اور عرض کیا ہمارا قصور اللہ سے معاف کرا دیجئے ہم خطاوار ہیں۔ یعقوبؑ نے کہا عنقریب اللہ سے تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا اور وہ ضرور بخش دے گا۔ اس کے بعد حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے پوتوں وغیرہ ستر اشخاص کی جماعت لے کر مصر کو چل دیئے۔ چند منزل پہلے یہوداہ کو یوسفؑ کے پاس بھیج دیا۔ یوسفؑ تھانہ ٹھاٹ کے ساتھ استقبال کو آئے اور باپ کو لے جا کر اپنے محل میں فروکش کیا اور اپنے تخت پر اپنے باپ اور سوتیلی ماں کو بٹھایا۔ سامنے گیارہ بھائی بیٹھے سب نے آداب وزارت ادا کئے اور تعظیماً جھک گئے۔ یوسفؑ نے کہا آج میرے اُس خواب کی تعبیر پوری ہوئی جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا۔ پھر حضرت یعقوب کو فرعون سے ملوایا اُس نے ایک قطعۂ اراضی حوالی شہر میں اولاد اسرائیلی کے ساتھ مخصوص کر دیا جس کا نام رعمسیس تھا۔ مصر میں تشریف لانے کے وقت حضرت یعقوب کی عمر ۱۲۰ سال کی تھی۔ بقول اہل کتاب سترہ سال یہاں قیام رہا اور ۱۳۷ سال کی عمر میں وفات پائی۔ انتقال کے وقت یوسفؑ کو وصیت کی کہ مجھے مصر میں دفن نہ کرنا، میں اپنے باپ دادا کے گورستان میں سوؤں گا۔ مرنے سے کچھ دیر پہلے اپنی اولاد کو بلایا اور توحید اور ملت ابراہیمی پر قائم رہنے کی نصیحت کی اور ہر بیٹے کو اس کیلئے مناسب دعائے برکت دی پھر ہمیشہ کے لئے روپوش ہو گئے۔ حضرت یوسفؑ نے کیمیاوی ترکیب سے میت کو محفوظ رکھا۔ مصر کے بڑے لوگوں کا دستور یہی تھا۔ فرعون کا اسٹاف اور عمائد شہر اور خاندان یعقوب جنازہ کو لے کر کنعان آئے۔ یہاں پہنچ کر خاندانی قبرستان میں دفن کیا۔ حضرت یوسفؑ وزارت پر قائم رہے۔ آپ کے دو صاحبزادے تھے افرائیم اور منشی یا منشیا۔ جب ایک سو بیس برس

toobaafoundation.com

کا سن ہوگیا تو ایک رات خواب دیکھا کہ ایک نہایت پُرفضا مقام ہے وہاں چند کرُسیاں لگی ہیں۔ ابراہیمؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور راحیل مختلف کرسیوں پر بیٹھے ہیں۔ یعقوبؑ اور راحیل رو کر یوسفؑ سے لپٹ گئے اور بولے فرزند کب تک اپنی راہ دکھائے گا۔ ہم تیرے مشتاق ہیں اب آجا۔ آنکھ کھلی تو روح پر ایک کیف طاری تھا۔ عالم قدس میں اپنے بزرگوں سے ملنے کی بیقراری تھی۔ تمام دنیا کے لذائذ فانیہ سے یک لخت دل سرد ہوگیا۔ بیدار ہوتے ہی بارگاہِ الٰہی میں دعا کی کہ پروردگار! مجھے سلف صالحین سے ملا دے۔ دعا قبول ہوئی۔ وقت وفات بھائیوں سے وصیت کی کہ ایک بار پھر تم کو ملک شام جانا ہے یہاں تم اور تمہاری اولاد کچھ زمانے کے بعد نہ رہ سکے گی۔ تمہاری زندگی میں ہجرت کرنی پڑے یا تمہاری اولاد کی زندگی میں یا نسل اسرائیل میں تو میری میّت بھی ساتھ لے جانا۔ وصیت کے بعد وفات ہوگئی۔ مصر میں ماتم بپا ہوگیا۔ لاش کو کیمیاوی ترکیب سے خوشبودار کر کے سنگِ مرمر کے تابوت میں بند کر کے سپرد خاک کر دیا گیا۔ آپ کی وفات کے بعد جب فرعونِ موسیٰ کا زمانہ آیا تو جذبۂ وطنی کے ساتھ اختلاف دینی بھی ہوگیا۔ بنی اسرائیل حقوق شہریت سے محروم کر دیئے گئے۔ طرح طرح کے مصائب اُن پر ٹوٹ پڑے۔ بادشاہ سے لے کر ادنیٰ امزدور تک سب اُن کے مخالف بن گئے یہ ترکِ وطن پر مجبور ہوئے مگر فرعون کا کھٹکا لگا ہوا تھا کہ اگر ہجرت کر کے شام کو چلے گئے تو وہاں کی حکومت جو مصر کی حریف تھی اور مدّت سے مصر پر اُس کا دانت تھا) سے مل کر کہیں حملہ نہ کریں، اس لئے ہر ممکن دباؤ سے روکتا رہا۔ بالآخر خدا نے موسیٰ کو مبعوث فرمایا اور فرعون پر غالب کیا۔ آپ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے شام کو چلے۔ اُس وقت حضرت یوسفؑ کی ہڈیاں بھی ساتھ لے لیں موسیٰؑ راستہ میں ہی فوت ہوگئے۔ بنی اسرائیل ہڈیوں کو لے کر کنعان پہنچے اور نابلس کے قریب دفن کیا۔

زلیخا کے متعلق آسمانی کتب خاموش ہیں، مگر اہلِ سیرت نے لکھا ہے کہ یوسفؑ کی زلیخا سے شادی ہوئی تھی۔ دو بیٹے اور ایک بیٹی بھی پیدا ہوئی تھی۔

بیان قصہ کے دوران میں جو نصیحت انگیز، عبرت خیز واقعات ہیں تفسیری مطالب بیان کرنے کے وقت سب کو بیان کریں گے۔

اب ہم آیات کی تفسیر ذکر کرتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ سورۂ یوسفؑ قرآن مبین کی آیات ہیں۔ ان سے قرآن کی حقانیت، صداقت اور منزل من اللہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایسے واقعات جو جزیرۂ عرب کے نہیں بلکہ بیرونِ عرب کے ہیں اور حال کے نہیں بلکہ ہزاروں برس پہلے کے ہیں اور جن کا علم بجز علمائے اہلِ کتاب اور خاص خاص مورخین کے عام لوگوں کو نہیں۔ ایک اُمّی ان پڑھ مکہ کا باشندہ کس خوبی، سلاست اور صداقت کے ساتھ بیان کر رہا ہے۔ اگر یہ غیبی الہام نہیں تو اور کیا ہے۔ ان آیات اور نشانیوں کی صداقت دیکھ کر پورے قرآن کی حقانیت کا یقین کر لینا چاہیئے اور خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ قرآن اللہ کی واضح اور روشن کتاب ہے۔ حق و باطل اور حرام و حلال میں امتیاز کرنے والی اور اچھے برے راستے کو بتانے والی ہے خود ساختہ نہیں۔ رہی یہ بات کہ جب یہ آسمانی کتاب ہے تو عربی زبان میں کیوں نازل کی گئی، دوسری زبانوں پر عربی کو کیوں ترجیح دی گئی تو اس کی وجہ ظاہر ہے۔ ایک تو صاحبِ کتاب عرب ہے پھر جس ملک میں پیدا ہوا اس کے باشندوں کی زبان عربی ہے اور پھر عربی زبان بھی الفاظ مبادی اور مشتقات کے اعتبار سے طویل الذکر ہے۔ اگر کسی اور زبان میں نازل کی جاتی تو کمائی طور پر سمجھ میں کیسے آتی۔ کھلے طور پر فہمائش تو عربی زبان میں ہی ہو سکتی تھی۔ لہٰذا تمہارے سوچنے سمجھنے اور غور کرنے کے لئے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا گیا۔

اس کے بعد فرماتا ہے کہ چونکہ ہم نے یہ قرآن بذریعہ وحی تم پر نازل کیا اور قرآن تمام آسمانی کتابوں میں اکمل و افضل اور اعلیٰ ہے، اس لئے قصہ بھی وہ بیان کرتے ہیں جو تمام قصوں سے مورد تفصیل اور نتیجہ کے اعتبار سے اچھا ہے۔ ظاہر ہے کہ دنیا میں افضل گروہ انبیاء کا ہے۔ پھر کسی نبی کو انتہا سے اور آغاز عمر سے آخری حصۂ عمر تک ایسے واقعات اور گوناگوں انقلابات سے واسطہ نہیں پڑا جیسا حضرت یوسفؑ کو پڑا۔ لہٰذا عجیب ترین قصہ اگر کوئی ہو سکتا ہے تو یوسفؑ کا ہے۔ اس کے اندر تفریح خاطر حسن و عشق کی کرشمہ کاریوں کا تذکرہ بھی ہے۔ تصویر انقلاب بھی ہے۔ نبی کی عصمت و عظمت کا اظہار بھی ہے۔ قدرتِ الٰہی کی ہمہ گیری کا بیان بھی ہے اور مسلمانوں کے لئے درسِ بصیرت بھی ہے۔ بادشاہوں سے لے کر غلاموں تک کے واقعات و معاملات، عورتوں کی مکاری، دشمنوں کی ایذا رسانی پر صبر، قدرت ہوتے ہوئے درگزر، حبیب و محبوب کے اشارات و حالات سب کچھ مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد فرماتا ہے اے نبی تم وحی اور نزول قرآن سے پہلے اس قصّے سے واقف بھی نہ تھے۔ یعنی یہ قرآن قطعی

toobaafoundation.com

طور پر الہامی اور آسمانی ہے تمہارا ساختہ نہیں۔ تم کو کسی نے یہ قصہ نہیں بتایا۔ کسی کو شک نہ کرنا چاہیئے کہ رسول خود اپنی طرف سے بیان کر رہے ہیں یا کسی کتابی عالم سے پوچھ کر ظاہر کرتے ہیں۔

مقصودِ بیان صداقت قرآنی اور حقانیت رسالت کے پُرزور دلائل کا اظہار۔ اس امر کی صراحت کہ قرآن مبین ہے یعنی حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا اور حرام و حلال میں تفریق کرنے والا ہے۔ اس کے احکام میں کوئی خفا و شک و شبہ نہیں۔ اس کے اندر افراط ہے نہ تفریط بلکہ شاہراہ مستقیم ہے جو بالکل کھلی ہوئی ہے۔ جس کا دل چاہے آنکھیں بند کر کے چل دے۔ قرآن کے عربی میں نازل کرنے کی اصل علت و حکمت کا بیان۔ قصۂ یوسفؑ کے احسن القصص ہونے کی تصریح۔ اس بات کی وضاحت کہ قرآن کے لئے زیبا نہیں کہ اس کے اندر جھوٹے سچے تروخشک ہر قسم کے قصے بیان کئے جائیں بلکہ نتیجہ خیز افضل ترین قصہ کو بیان کرنا ہی ایسی عظیم الشان کتاب میں مناسب ہے۔ اس بات کی صراحت کہ اس سورت کے نزول سے پہلے حضرت یوسفؑ کا قصہ رسول پاکؐ کو معلوم نہ تھا۔

إِذْ قَالَ يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ

(یاد کرو کہ) جب یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا ابا میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورج و چاند دیکھے میں نے دیکھا کہ

لِي سَاجِدِينَ ○ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ

یہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں باپ نے کہا بیٹا اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا ورنہ تمہارے حق میں وہ مکاری کرنے

كَيْدًا ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ○ وَكَذَٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ

لگیں گے شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے تمہارا رب اسی طرح تم کو برگزیدہ کرے گا

وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا

اور تم کو خوابوں کی تعبیر کا علم سکھائے گا اور تم پر اور اولادِ یعقوب پر اپنا احسان پورا کرے گا جیسے

أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ○ ع

اس سے پہلے تمہارے دونوں دادا ابراہیم و اسحٰق پر پورا کیا تمہارا رب دانا با حکمت ہے

تفسیر ان آیات کے ہم تین حصے کرتے ہیں:۔ (۱) ارشاد ہوتا ہے کہ یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا کہ میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے کہ وہ مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں (یعقوبؑ نے کچھ توجہ اور غور سے دریافت کیا تو یوسف نے کہا ہاں) میں نے ان کو سجدہ کرتے دیکھا۔ صحیح خواب کی دو قسمیں ہیں۔ قابلِ تاویل اور واضح۔ قابلِ تاویل وہ خواب جس کا مطلب کچھ اور ہو اور کسی دوسرے پیرایہ میں ظاہر کیا گیا ہو اور واضح وہ خواب ہے کہ اصل واقعہ دکھا دیا جائے جس طرح حضرت ابراہیمؑ کو دکھایا گیا تھا کہ آپ حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں۔ صحیح دونوں خواب ہوتے ہیں۔ بصراحتِ حدیث ہر صحیح خواب نبوت کے ۴۶ یا ۴۶ اجزاء میں سے ایک جزء ہے، مگر اوّل کی صحت کی وضاحت محتاج تعبیر ہے اور دوسرا تعبیر سے مستغنی ہے۔ حضرت یوسفؑ کا خواب قابلِ تاویل تھا یا واضح؟ اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن عساکر نے اس کو صریح اور واضح قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ یہ یوسفؑ نے گیارہ ستارے اور چاند سورج نہیں دیکھے

toobaafoundation.com

تھے بلکہ گیارہ بھائی اور ماں باپ کو سجدہ کرتے دیکھا تھا۔ آپ کی مراد ستاروں اور آفتاب و ماہتاب سے برادران اور والدین ہی کی تشخیص تھیں جس کا ظہور چالیس برس اور بقول حسن بصری اسی برس بعد کو ہوا۔ ابن عساکر نے اس قول کو ابن عباس، قتادہ، ضحاک، سفیان ثوری اور عبدالرحمٰن بن زید کی طرف منسوب کیا ہے۔ باقی مفسرین کے نزدیک خواب قابل تاویل تھا۔ واقع میں یوسفؑ نے گیارہ ستارے اور چاند سورج ہی خواب میں دیکھے تھے۔ جن کی تعبیر تفسیر اور تشریح سے حضرت یعقوبؑ بھی واقف تھے اور حضرت یوسفؑ بھی۔

کتب یہود میں مؤخر الذکر قول کو بیان کیا گیا ہے بلکہ ابن جریر نے بروایت عبدالرحمٰن بن سابط تصریحاں تک بیان کیا ہے کہ حضورؐ کی خدمت میں بستانہ یہودی حاضر ہوا اور عرض کیا جن کواکب کو یوسفؑ نے خواب میں دیکھا تھا بتائیے ان کے کیا نام تھے؟ حضورؐ کچھ دیر خاموش رہے یہودی چلا گیا۔ حضرت جبرئیلؑ آئے۔ آپ نے یہودی کو طلب کیا۔ جب وہ آگیا تو فرمایا اگر میں تجھے ان کے نام بتا دوں گا تو کیا تو مسلمان ہو جائے گا؟ اس نے اقرار کیا۔ فرمایا اُن کے نام ہیں جریان، طارق، ذیال، قابس، ذوالکتفین، وثاب، عمودان، خلیق، مصبح، ضروح، قزح۔ بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ابویعلیٰ موصلی اور ابوبکر بزار اور ابن ابی حاتم نے بھی اس روایت کو نقل کیا ہے۔ میرے نزدیک یہ روایت غلط اور موضوع ہے۔ تمام ناقلین کا مرجع سُدّی ہیں اور سدی سے اُن کے شاگرد حکم بن ظہیر نے روایت کی ہے اور حکم بن ظہیر بقول جرجانی ساقط الاعتبار ہے، اس لئے یہ روایت غلط ہے۔ کتب حدیث میں کسی اور راوی کی تائید سے یہ روایت منقول نہیں ہے۔ ہاں اتنا محقق ہے کہ کتب یہود کی صراحت قرآن کی ظاہری آیات کے مطابق ہے اور اہل کتاب کے نزدیک یہ خواب صریح نہیں بلکہ مؤول تھی۔

سُجَّدًا سے کیا مراد ہے؟ اس میں بھی دو قول ہیں۔ جو لوگ قائل ہیں کہ اسلام میں اس نہیں بلکہ ہر گزشتہ شریعت میں سوائے خدا کے اور کیلئے حقیقی سجدہ کرنا یعنی کسی کے سامنے بارادۂ تعظیم پیشانی زمین پر رکھنا ناجائز اور حرام تھی۔ اُن کے نزدیک سجدہ سے مجازی سجدہ یعنی جھکنا اور گردن جھکانا مراد ہے اور جو لوگ اسلام کے علاوہ دوسری آسمانی شریعتوں میں غیر اللہ کے لئے حقیقی سجدے کے جواز کے قائل ہیں اُن کے نزدیک یہاں بھی حقیقی مفہوم ہی مراد ہے۔ رہا ہماری شریعت میں غیر اللہ کو حقیقی سجدہ تو یہ بالاتفاق حرام ہے۔ احادیث اس کے متعلق وارد ہیں۔ جن کا تذکرہ اس جگہ خارج از بحث ہے۔

(۲) حضرت یعقوبؑ نے خواب کو سُن کر بنورِ فراست اور بعقلِ نبوت سمجھ لیا کہ یوسفؑ کا خواب اس کے عالی مرتبہ ہونے کی نشانی ہے اور ممکن ہے کہ صاف طور پر جان لیا ہو کہ اس کی تعبیر ماں باپ اور بھائیوں کا سجدہ کرنا ہے۔ بہرحال حضرت یوسفؑ کو ہدایت کی کہ اس کا تذکرہ اپنے بھائیوں سے نہ کرنا۔ وہ اگرچہ بھائی ہیں، لیکن شیطان بھی شیطان ہی ہے۔ کسی انسان کا تقرب بارگاہِ الٰہی میں اُسے گوارہ نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ بھائیوں کو تباہ کرنے اور تجھے نتیجۂ خواب کے ظاہر ہونے سے پہلے مصیبت میں مبتلا کرانے کے لئے بھائیوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالے اور وہ تیرے خلاف کوئی اسکیم بنائیں اور پھر تجھے تکالیف اٹھانی پڑیں۔

حضرت یوسفؑ نے یہ خواب سات برس یا بارہ برس یا سترہ برس کی عمر میں جبکہ کوشبِ قدر میں دیکھا تھا (ابن اخیر)

(۳) حضرت یعقوب نے خواب سُن کر جواب کے ذیل میں نورِ فطری سے یا بوحی ربانی چند باتیں آئندہ کے متعلق اور بھی یوسف کو بتائیں۔(۱) اللہ نے جس طرح تم کو یہ خواب دکھایا وہ تمہاری عظمت و مرتبت کی دلیل ہے۔ ایسا ہی اور مدارج و مراتب سے تجھے سرفراز فرمائے گا۔ نبوت دے گا عصمت برقرار رکھے گا، ہزاروں کو تیرے ہاتھ پر مسلمان کرے گا وغیرہ۔ (۲) (بقول مجاہد) وہ خوابوں کی صحیح تعبیر دینے کا علم تجھے عطا کرے گا اور اپنی پوری نعمت (جو تیرے لائق ہوگی) تجھے عطا کرے گا۔ یعنی نبوت، ثروت، اعزاز و جلال عنایت کرے گا۔ چنانچہ آپ کی مفصل کیفیت ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مصر میں آپ اور آپ کی نسل بڑے جاہ و جلال کے ساتھ رہی۔ حضرت یعقوبؑ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ تجھے ہی خدا تعالیٰ اپنے انعام سے سرفراز نہیں فرمائے گا بلکہ میری دوسری نسل کو بھی گوناگوں نعمتیں مرحمت کرے گا۔ جس طرح تیرے اسلاف ابراہیم و اسحاق کو نوازا تھا ویسے ہی میری نسل کو نوازے گا۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنا تذکرہ بطور انکسار نہیں کیا۔

اکثر مفسرین نے اتمام نعمت سے مراد نبوت مع سلطنت لی ہے، لیکن مفسر سراج نے بروایت ابن عباسؓ صرف نبوت سے تفسیر کی ہے۔

toobaafoundation.com

بعض علماء نے یہیں سے استخراج کیا ہے کہ یوسفؑ کے دوسرے بھائی بھی نبی تھے کیونکہ حضرت یعقوب کی دعا اور پیشین گوئی کے مواقف ان کو بھی کامل نعمت سے سرفراز ہونا چاہیئے اور کمالِ نعمت نبوّت ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ ابراہیم واسحاق پر جس نعمت کا فیضان ہوا تھا اُس سے تشبیہ دینا اور حضرت یوسفؑ پر جو انعام ہوا تھا اُسی کے ذیل میں دیگر اولادِ یعقوب کا تذکرہ کرنا بتا رہا ہے کہ نوعیت نعمت ایک ہی سی ہے یعنی نبوّت، لیکن میرے نزدیک یہ دلیل بہت کمزور ہے۔ دانش مند اس قول کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ دنیوی نعمت کا کمال وعروج، عزت جلال، دولت حکومت وغیرہ مراد ہو اور اگر روحانی نعمت ہی مراد ہو تب بھی کیا ضرور ہے کہ سب کے سب نبی ہوں۔ ولایت، کرامت، کمالِ جان اور قربِ الٰہی یہ تمام درجاتِ تکمیل ہیں۔ واللہ اعلم۔

مقصودِ بیان انبیاء کا خواب صحیح ہوتا ہے۔ خواب اور پیش آنے والے واقعہ میں مناسبت ضرور ہوتی ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ خواب کے مفہوم کا ظہور فوراً ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ بیسیوں برس کے بعد ہو۔ شیطان انسان کا دشمن ہے۔ نبی زادے بھی اس کے خطرات سے محفوظ نہیں وغیرہ۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ۝ إِذْ قَالُوا لَيُوسُفُ وَأَخُوهُ أَحَبُّ

بلاشبہ اُس کے اور اُس کے بھائیوں کے قصہ میں سوال کرنے والوں کے لئے کچھ نشانیاں ہیں جبکہ بھائیوں نے کہا کہ یوسف اور اُس کا بھائی ہمارے باپ کو

إِلَىٰ أَبِينَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّ أَبَانَا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ

ہم سے زیادہ پیارا ہے حالانکہ ہم طاقتور ہیں واقعی ہمارے باپ صریح غلطی میں ہیں یوسف کو مار ڈالو یا کسی ملک میں ڈال آؤ

أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ ۝ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا

تمہارے باپ کی توجہ خالص تمہاری طرف ہو جائے گی اور اُس کے بعد تم اچھے لوگ ہو جانا ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا یوسف کو

تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ ۝

قتل نہ کرو بلکہ ایک اندھے کنوئیں میں ڈال دو۔ تاکہ کوئی راہ چلتا اُس کو اُٹھا کر لے جائے اگر تم کو کرنا ہے۔

تفسیر ہر آیت کی تشریح جدا جدا کرنی ضروری ہے:۔ (۱) یوسفؑ کے بھائی کتنے تھے اور کون کون تھے؟ اہلِ کتاب اور بعض مورخین اسلام سے جو تعداد اور اسماء کی تفصیل منقول تھی وہ ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔ معالم، بیضاوی اور سراج میں مذکور ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی پہلی بیوی آپ کے ماموں لیان کی دختر لیا نامی تھی۔ اس کے بطن سے روبیل، شمعون، لاوی (دال کے ساتھ) زبلون اور بقول قرطبی زبولون عمر بچکل چھ بیٹے تھے۔ سراج اور فتح میں ہے کہ سب سے بڑا روبیل تھا پھر بقول صاحب معالم دو لونڈیاں بھی تھیں جن کے نام زلفی اور بلہم تھے۔ رازی اور قرطبی نے بلہم کی بجائے بلہہ لکھا ہے۔ ان دونوں سے چار بیٹے تھے:۔ دان، نفتالی، جاد، اشر۔ قرطبی نے نفتالی کی بجائے نفتونا اور اشر کی جگہ اوشیر لکھا ہے۔ پھر راحیل ہمشیرہ لیا کے بطن سے دو لڑکے یعنی یوسف اور بن یامین ہوئے۔ بیہلی نے لکھا ہے کہ راحیل سے فقط بن یامین تھا اور راحیل کے بعد حضرت یعقوب نے وقفہ سے نکاح کیا تھا اس سے یوسفؑ پیدا ہوئے، مگر یہ قول ضعیف ہے۔ تمام اہلِ خبر نے لکھا ہے کہ لیا کے انتقال کے بعد حضرت یعقوبؑ نے راحیل سے نکاح کیا تھا، مگر صحیح یہ ہے کہ لیا کی موجودگی میں ہی راحیل سے نکاح ہوا تھا اور اس وقت کی شریعت میں دو بہنوں سے اجتماعی نکاح صحیح تھا۔ راحیل کا انتقال تو یوسفؑ کی یا بن یامین کی پیدائش کے وقت ہو گیا تھا۔ لیا باقی تھی

toobaafoundation.com

جو حضرت یعقوبؑ کے ساتھ مصر گئی تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ لیا کا بھی انتقال ہو چکا تھا۔

(۲) آیات سے کون سی نشانیاں مراد ہیں؟ اس کی کوئی تعیین نہیں کی گئی۔ جمع کا صیغہ اور اس پر تنوین ہونا یہ بات بتا رہا ہے کہ کثیر اور عظیم الشان نشانیاں مراد ہیں۔ مفسرین نے قیاس آرائی کی ہے۔ میرے نزدیک صحیح مطلب یہ ہے کہ اللہ کی وحدانیت رسول پاکؐ کے صدق رسالت انسانی آغاز و انجام، انقلابات زمانہ وغیرہ۔ غرض اکثر عبرت انگیز نصیحت خیز نشانیاں تذکرۂ یوسفؑ کے ذیل میں اہل بصیرت اور دانش مند طبقہ کے لئے موجود ہیں جس کی تفصیل ہر موقعہ پر کی جائے گی۔

(۳) سائلین کی ہدایت کے لئے آیات ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو لوگ یوسفؑ کا قصہ دریافت نہیں کرتے اُن کے لئے یہ بیان موجب نصیحت نہیں بلکہ یہ اظہار واقعہ ہے۔ چونکہ بعض لوگوں نے حضور اقدسؐ سے بطور امتحان حضرت یوسفؑ کا واقعہ دریافت کیا تھا، اس لئے فرمایا کہ اس قصہ کا نزول محض تفریح خاطر کے لئے نہیں بلکہ اس کے اندر عبرت و نصیحت کے خزائن پوشیدہ ہیں۔ سوال کرنے والے اگر غور کریں گے اور نصیحت حاصل کرنی چاہیں گے تو یہ قصہ ان کے لئے سرچشمۂ ہدایت ثابت ہوگا۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ یوسفؑ کے دس بھائیوں نے آپس میں کہا کہ باپ کی نظر میں یوسفؑ اور اس کا حقیقی بھائی بن یامین بہت چڑھا ہوا ہے، ہم میں سے کسی کے ساتھ باپ کو اتنی محبت نہیں جتنی ان دونوں سے ہے۔ باوجودیکہ کشش محبت کے اسباب ہم لوگوں کے اندر زیادہ ہیں، ہم طاقت ور ہیں، ہمارا جتھا ہے، کل کام کاج ہم کرتے ہیں اور یہ دونوں حقیر ضعیف لڑکے ہیں دنیا کے کسی مطلب کے نہیں نہ باپ کی خدمت کر سکتے ہیں نہ بُرے وقت میں اُڑے آ سکتے ہیں۔ اس معاملے میں ہمارے باپ یقیناً غلط راستے پر ہیں۔ کوئی تدبیر ایسی کرو کہ ہمیشہ کے لئے یہ قصہ ختم ہو جائے بہتر ہے کہ یوسف کو قتل کر ڈالو یا کسی دور دراز ملک میں پھینک آؤ نہ یہ ہوگا نہ باپ کو ہماری طرف سے کشیدگی ہوگی۔ کل توجہ ہماری ہی جانب ہو جائے گی۔ روبیل (بقول) محمد بن اسحاق یہودا (بقول سدی) نے کہا بھائیو! حسد کو اتنا نہ بڑھاؤ قتل کرنا زیبا نہیں۔ مقصود تو یہ ہے کہ باپ کی نظر سے یوسف اوجھل ہو جائے۔ اس کی اچھی ترکیب یہ ہے کہ یوسف کو لے جا کر کسی اندھے خشک کنوئیں میں ڈال دو۔ کوئی آتا جاتا مسافر ادھر سے گزرے گا نکال کر لے جائے گا۔

چند شبہات اور اُن کا ازالہ

تفسیر سراج و کبیر میں اس موقعہ پر شبہات کا تذکرہ کیا ہے اور پھر ان کا ازالہ کیا ہے۔ ہم بھی قدرے ترمیم کے ساتھ نقل کرتے ہیں:۔

(۱) اگر اولاد میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی جائے اور کسی کے ساتھ امتیازی سلوک کیا جائے تو اس سے دوسروں کے دلوں میں حسد پیدا ہوتا ہے۔ پھر نبی نے ایسا کام کیوں کیا جو منشاء حسد تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے کسی سلوک میں امتیاز نہیں رکھا تھا۔ البتہ طبعی محبت میں کمی بیشی ضرور تھی اور دلی محبت اضطراری چیز ہے۔ اختیار سے خارج ہے نہ محبت کی برابری پر انسان مکلف ہے۔

(۲) حضرت یعقوبؑ کے بیٹے نبی ہوں یا نہ ہوں تاہم باپ کی نبوت پر یقین رکھنے والے اور کامل مومن ضرور تھے پھر کیوں نبی پر اعتراض کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ لڑکوں کی رائے کی غلطی تھی۔ ان کو یعقوبؑ کی نبوت پر ایمان ضرور تھا، مگر وہ باپ کے اس فعل کو ان کی رائے پر محمول کرتے تھے۔ دینی بات نہیں سمجھتے تھے اور واقعی مذہبی امر تھا بھی نہیں اور جب اپنے اندر کشش محبت کے اسباب اپنی سمجھ کے موافق زیادہ پائے تو باپ کی رائے کی تغلیط کو خلاف اصول نہ سمجھا۔

(۳) باپ کو گمراہ کہا۔ حالانکہ اُن کی نبوت کو مانتے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مذہب کے اعتبار سے اُن کو گمراہ نہیں کہا بلکہ معاملات دنیوی میں ان کو غلط رو کہا۔ گویا یوسفؑ کو ترجیح دینا چونکہ کوئی الہامی فعل نہ تھا، اس لئے انھوں نے اس حرکت کو مصالح دنیوی کے خلاف سمجھتے ہوئے ضرر انگیز ثابت کرنا چاہا۔

مقصود بیان

صاف طور پر آیت دلالت کر رہی ہے کہ قرآن کے اندر جو قصص مذکور ہیں وہ تفریح خاطر کے لئے نہیں بلکہ عبرت حاصل کرنے اور نصیحت پکڑنے کے لئے ہیں۔ شروع آیت میں زلیخا کا کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ فقط یوسفؑ اور ان کے بھائیوں

toobaafoundation.com

کا قصہ قرار دیا۔ اس سے اشارہ اس طرف ہے کہ زلیخا کا قصہ اصل مقصود نہیں۔ یہ ضمنی طور پر ذکر کیا گیا ہے یعنی جہاں تک ممکن ہو شیدائے عشق کی چھیڑ چھاڑ سے مرد مومن کا گریز کرنا چاہیئے، لیکن اگر بالتبع بغیر اصل غرض بنائے ہوئے حسن و عشق کا تذکرہ آجائے تو استفراغ بھی نہ کر دینا چاہیئے۔ انسان کتنا ہی ایمان دار ہو باقتضاء بشریت اس کی ظاہری نظر بیرونی اسباب پر جاتی ہے۔ جس طرح یوسفؑ کے بھائیوں نے یوسفؑ کو ناکارہ اور اپنے کو مستحق ظاہر کرنے کے لئے اپنی جماعت اور طاقت کا تذکرہ کیا۔ حسد سے بہت کم لوگ پاک ہیں۔ نبی زادے کو بھی باوجود کامل الایمان ہونے کے اس سے نہ بچ سکے۔ یوسفؑ کے بھائی یوسفؑ کے قتل یا جلاوطنی کو بڑا فعل سمجھتے تھے، مگر شری کینہ بجھانے کے بعد استغفار کرنے کا تہیہ کر چکے تھے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۝ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ

غرض باپ سے بولے ابا کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں کل اس کو ہمارے ساتھ بھیجدیجئے تاکہ خوب کھائے

وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ

کھیلے ہم اس کی قطعی حفاظت کریں گے باپ نے کہا مجھے اس کا غم ہے کہ تم اس کو لے جاؤ گے اور اندیشہ ہے کہ تم کو خبر بھی نہ ہو اور کوئی بھیڑیا

وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۝ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ۝

اس کو کھا جائے بولے اگر اس کو بھیڑیا کھا جائے حالانکہ ہم جماعت کی جماعت ہیں تو یہ تو ہمارے لئے خسارہ کی بات ہے

تفسیر غرض جب برادرانِ یوسفؑ کا عزم پختہ ہو گیا تو باپ سے سب نے بالاتفاق کہا کہ کل صبح ہم جنگل کو تفریح کرنے جائیں گے۔ بہتر ہے کہ آپ یوسف کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجئے۔ گھر میں بیٹھے بیٹھے وہ بھی تنگ آگیا ہے وہ بھی کچھ سیر سپاٹا کر لے گا اور آزادی سے کچھ جنگل کے پھل کھالے گا۔ ہم اس کی انتہائی نگہداشت بھی رکھیں گے۔ کسی قسم کا خطرہ بھی نہیں ہے۔ کیا آپ کو یوسف کے متعلق ہمارا اعتبار نہیں ہے۔ ہم تو اس کے بلاشک خیر خواہ ہیں۔ حفاظت کی ہر ممکن تدبیر کریں گے۔

تحقیق کیا لعب اور کھیل کود جائز ہے جو نبی زادوں نے درخواست کی اور نبی نے اجازت دے دی؟ اس کا جواب اہل علم نے اس طرح دیا ہے کہ کھیل دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو وہ جو ذکر الٰہی سے غافل کرے۔ دوسرا وہ جو دینی امور سے مانع نہ ہو۔ مؤخر الذکر صورت اگرچہ بظاہر لعب نظر آتی ہے، مگر واقع میں وہ لعب نہیں ہوتی۔ مثلاً باغوں کی سیر، گھوڑے کی سواری کے کرتب، تیر اندازی اور نشانہ بازی کا مظاہرہ، باہم مقابلے پہ دوڑنا وغیرہ یہ تمام کھیل جائز ہیں۔ ان سے بدن میں قوت، اعضاء میں چستی اور دل کو تفریح حاصل ہوتی ہے۔ اولاد اسرائیل کا کھیل بھی اسی قسم کا تھا۔ آیت اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ الخ اس پر دلالت کر رہی ہے۔ اوّل قسم ناجائز ہے اور درحقیقت یہی سبب ہے بھی۔ ثانی قسم تو صورۃً لعب کے مشابہ ہے۔ اس پر لعب کا اطلاق مجازی ہے۔

چونکہ برادرانِ یوسف کو پہلے ہی سے خطرہ تھا کہ باپ کا گمان ہماری دوستی کے متعلق ٹھیک نہیں ہے، اس لئے ہر جملہ میں اپنی خیر خواہی اور وعدۂ تحفظ کو انتہائی پر زور لہجہ میں ظاہر کیا جس سے یعقوبؑ مزید چیں بچیں ہو گئے، لیکن تقدیر کا وار خالی نہیں جاتا۔ حضرت یعقوب نے بیٹوں کے حسد کا تو اظہار نہیں کیا بلکہ یوسفؑ کو روکنے کے لئے کلام کا رُخ بدل کر دو وجہیں ظاہر کیں۔ بولے اگر تم یوسفؑ کو لے جاؤ گے تو اس کی جدائی کا غم (دن بھر) مجھے رہے گا پھر یہ بھی اندیشہ ہے کہ تم لوگ تو کھیل کود میں مشغول ہو گے یوسف چھوٹا ہے کہیں اس کو بھیڑیا نہ کھا جائے۔ یعقوبؑ مراد بھیڑیئے سے یا تو یہی جنگلی درندہ تھا۔ کنعان کے جنگل میں بھیڑیئے تھے بھی بہت۔ یا آپ نے برادرانِ یوسف کے حسد کو بھیڑیا قرار دیا۔ اور درپردہ ان کو ان کی سیرہ باطنی پر تنبیہ کی۔ تفسیر سراج میں مذکور ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے خواب دیکھا تھا کہ یوسفؑ پر بھیڑیئے نے حملہ کیا اور

toobaafoundation.com

انبیاء کے خواب جھوٹے نہیں ہوتے۔ اس لیے اگر بھیڑیے سے مراد حسد لیا جائے تو ممکن ہے حضرت کی معذرت آمیز وجہ ممانعت سن کر بیٹوں کے دلوں میں اور حسد کی آگ بھڑکی کہ باپ کو یوسف کی جدائی ایک دن بھی گوارا نہیں اور ہم روزانہ ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہیں تو کچھ پروا نہیں۔ مگر مصلحت وقت کے پیش نظر حسد کو چھپایا اور بولے ہمارا پورا جتھا ہے ہم طاقت ور بھی ہیں۔ اس پر بھی اگر زبردستی بھیڑیا کھا گیا تو یہ ہماری انتہائی کمزوری ہوگی۔ ہمارا عدم وجود برابر ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے اندیشہ کا جواب کچھ بھی نہ دیا اپنی جماعت اور قوت کا تو اظہار کیا، مگر غفلت کی کوئی صراحت نہیں کی۔

مقصود بیان انبیاء و اولیاء پر اسرار غیب ہر وقت منکشف نہیں ہوتے، روشنی کا ایک خاص وقت ہوتا ہے۔ اولاد یعقوبؑ نے یعقوبؑ کے سامنے پُرفریب الفاظ کہے اور آپ دھوکا کھا گئے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء کا دنیوی فریب کھا جانا وحی کی حالت میں جائز اور صحیح ہے۔ شیخ نے لکھا ہے کہ اللہ کی شانِ قہاری بھی عجیب ہے۔ جب اُس نے تجلی قہر فرمائی تو وہ لوگ جن کے نام نبوت و رسالت کی فہرست میں درج تھے ان کی فطرتیں کیسی بدل ڈالیں۔ حزن اور خوف خدا رسیدہ بندوں کو بھی ہوتا ہے، لیکن وہ عالم اسباب میں سے کسی کو مؤثر حقیقی اور مسبب نہیں سمجھتے بلکہ قانون فطرت اور ضابطۂ الٰہی کے موافق ہر چیز کو اس کے سبب سے وابستہ سمجھتے ہیں۔ حضرت یعقوبؑ کو یوسفؑ کی جدائی کا غم اور بھیڑیے کے کھا جانے کا اندیشہ ہوا، لیکن یہ سب سلسلۂ اسباب کے تحت تھا وغیرہ۔

فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا

آخر کار جب یوسف کو لے گئے اور باہم اتفاق کر لیا کہ کسی اندھے کنوئیں میں اُس کو ڈال دیں اور ہم نے اس کے پاس وحی بھیجی کہ تو ضرور اُن کو اُن کی یہ حرکت جتائے گا

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۝ وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ۝ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا

اور وہ پہچانیں گے بھی نہیں (غرض کنوئیں میں ڈال دیا) اور رات کو روتے ہوئے باپ کے پاس آئے کہنے لگے ابا ہم باہم دوڑنے گئے تھے اور یوسف کو اپنے سامان کے

يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۝ وَجَآءُوْ عَلٰى

پاس چھوڑ دیا تھا بھیڑیا اُس کو کھا گیا مگر آپ کو ہمارا یقین نہ آئے گا گو کہ ہم سچے ہوں اور یوسف کے کرتے پر

قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ

جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے باپ نے کہا یہ بات نہیں ہے بلکہ تم نے خود دل سے یہ بات بنائی ہے خیر اب صبر ہی بھلا ہے اور تمہارے بیان پر اللہ ہی سے مدد مانگی جاتی ہے

تفسیر وہب بن منبہ اور دیگر اہل اخبار نے بیان کیا ہے کہ بھائیوں نے یوسفؑ کو لبھایا اور دریافت کیا کیا تمہارا دل ہمارے ساتھ جنگل چلنے کو چاہتا ہے؟ یوسفؑ نے اثبات میں جواب دیا۔ بھائیوں نے کہا چلو پھر باپ سے کہو۔ یوسفؑ باپ کے پاس پہنچے اور خواہش کا اظہار کیا۔ یوسفؑ کی خواہش سے باپ مجبور ہو گئے اور جانے کی اجازت دے دی۔ سب بھائی چل دیئے۔ راستے میں زدوکوب اور دوسری طرح کی تکلیفیں نہایت بے رحمی کے ساتھ بھائیوں نے یوسفؑ کو دیں۔ جب کوئی پشت پناہ نہ ملا تو یوسفؑ نے باپ کو یاد کیا۔ بعض نے پچھاڑ کر قتل کر دینا چاہا، مگر روبیل یا یہودا نے روکا اور بالاتفاق ایک اندھے کنوئیں میں لٹکا کر ادھ بیچ سے رسی کاٹ دی۔ آپ تہ میں گرے۔ گرنا تو ضرور چاہیے تھا، لیکن بحکم الٰہی حضرت جبرئیلؑ نے کنوئیں میں پہنچ کر بازو تھام کر آہستہ سے ایک پتھر پر بٹھا دیا اور حضرت ابراہیم کا وہ کرتا جو حضرت یعقوبؑ تک بطور وراثت پہنچا تھا اور یوسفؑ کے گلے میں بطور تعویذ بندھا تھا کھول کر پہنا دیا اور اللہ کی طرف سے پیام پہنچایا کہ گھبرانا نہیں عنقریب تم کو رہائی

toobaafoundation.com

ملے گی اور درجات عالیہ پر فائز ہو گے۔ تمام بھائی تمہارے سامنے ندامت کے ساتھ سر جھکائے ہوں گے اور ان تمام واقعات کا تم ان کو اطلاع دو گے۔

ابن جریر نے ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ ایام قحط میں جب برادران یوسف مصر غلہ لینے پہنچے تو حضرت یوسفؑ نے ان کو پہچان لیا، مگر وہ نہ پہچان سکے۔ آپ نے غلہ ناپنے کا پیمانہ طلب کیا اور ہاتھ میں لے کر اس کو انگلی سے کھٹکھٹا کر فرمایا یہ پیمانہ مجھے بتا رہا ہے کہ تمہارا ایک علاتی بھائی یوسف تھا باپ کو اس سے زیادہ محبت تھی تم نے اس کو لے جا کر اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ پھر دوبارہ پیالہ جھنکا کر فرمایا یہ پیالہ بتا رہا ہے کہ تم نے باپ کے پاس جا کر کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا اور اپنے قول کے ثبوت میں خون آلود کرتہ پیش کیا۔ بھائیوں کو یہ بات سن کر تعجب ہوا۔ ابن عباس نے فرمایا آیت لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ۔ اسی کے متعلق ہے۔

ایک شبہ حضرت یوسف کنوئیں میں ڈالے جانے کے وقت کم سن تھے نبی نہ تھے پھر وحی کس طرح آئی اور کیوں کر بارِ نبوت کو آپ نے برداشت کیا؟

ازالہ (۱) ہر قسم کی وحی اس وقت نہیں آئی تھی بلکہ وحی کی ایک خاص قسم تھی یعنی یوسف کے پاس جبرئیلؑ ایک پیر مرد شفیق کی شکل میں پہنچے اور پیام الٰہی پہنچا کر تسکین دی۔ اس قسم کی وحی نبوت کی محتاج نہیں ہے۔

(۲) جس طرح حضرت یحییٰ اور حضرت عیسیٰؑ کے پاس زمانہ طفولیت میں وحی بھیجی گئی تھی ایسی ہی حضرت یوسفؑ کے پاس وحی بھیجی گئی (یہ قول اس گروہ کا ہے جو صغیر بچہ کو بھی نبوت سے سرفراز ہونا جائز سمجھتا ہے)

(۳) وحی سے مراد الہام اور القاء ہے۔ اللہ نے حضرت یوسفؑ کو الہام کیا تھا فرشتہ کو نہیں بھیجا تھا اور الہام کے واسطے نبوت کی ضرورت نہ تھی۔

(۴) معتزلہ کا خیال ہے کہ اس وقت یوسفؑ کی عمر سترہ سال تھی گویا آپ بالغ ہو چکے تھے بچہ نہ تھے، مگر یہ قول خلافِ عقل معلوم ہوتا ہے۔ سترہ سالہ نوجوان کو بھیڑیا اٹھا کر لے جائے عرفاً اس کا اندیشہ اُن ممالک میں نہیں کیا جاتا جو دن رات بھیڑیوں کے خوگر ہیں۔

نوٹ بے رحمی اور مار پیٹ کرنے کا تذکرہ کتابِ الٰہی اور احادیثِ رسول اللہؐ میں نہیں ہم نے تفسیر سراج وغیرہ سے نقل کیا ہے، لیکن اس سب کا ماخذ صیہونی اقوال و روایات ہیں جن کی نہ تصدیق کی جا سکتی ہے نہ تکذیب۔

اس سے آگے آیات کا مطلب صاف ہے۔ آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ یعقوبؑ بیٹوں کے قول کی تصدیق نہ کی اور فرمایا تم لوگ اپنے نفس کے پھندے میں ہو۔ تم نے خود یہ جھوٹا قصہ گھڑا ہے (ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اگر بھیڑیا کھاتا تو کرتا بھی پھاڑتا۔ شعبی، حسن، قتادہ وغیرہم سے بھی یہ قول مروی ہے) اب کارۂ چار سوائے صبر جمیل کے اور کچھ نہیں۔ میں تمہاری دروغ بافی کے خلاف اللہ ہی سے مدد کا خواستگار ہوں وہی میرا مددگار رہے۔

علمائے تفسیر نے لکھا ہے کہ صبر دو طرح کا ہوتا ہے جمیل اور غیر جمیل۔ جمیل کے یہ معنی ہیں کہ تقدیر الٰہی پر راضی ہو۔ اس رضا بالقضا سے ایک نور مشاہدہ پیدا ہوتا ہے۔ اس نور میں آدمی غرق ہو جاتا ہے۔ پھر سوائے خدا کے اور کسی سے اپنے غم کی شکایت نہیں کرتا۔ حضرت یعقوبؑ کا صبر بھی ایسا ہی تھا۔ آپ نے بھی فرمایا اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ۔ اور صبر غیر جمیل میں رضائے الٰہی پیشِ نظر نہیں ہوتی۔ یہ درجہ مجبوری کا ہے۔

مجاہد نے صبر جمیل کے معنی عدم جزع کے لئے ہیں۔ ثوری کا قول ہے کہ صبر جمیل کے یہ معنی ہیں کہ درد و مصیبت کو کسی سے بیان نہ کرے اور پھر مزید یہ کہ اس میں اپنے نفس کی خوبی نہ سمجھے۔ حبان بن ابی جبلہ کی مرسل حدیث ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ جس صبر میں منہ سے شکایت نہ نکلے وہ صبر جمیل ہے۔ بعض اہل تفسیر نے اتنا اور زیادہ کیا کہ جس نے بیان کیا اس نے صبر نہ کیا۔

خاص نکتہ شعبی نے یہاں ایک خاص نکتہ بیان کیا ہے کہ یوسف کی قمیص بھی ایک عجیب چیز تھی۔ بھائیوں نے قمیص اتار کر خون سے آلودہ کر کے باپ کے سامنے پیش کی تو قمیص نے ان کے قول کی تکذیب کی کیونکہ کہیں سے نہ پھٹی تھی۔ زلیخا کے

toobaafoundation.com

دروازہ میں عزیز کے ملنے کے وقت ننھے بچّے نے شہادت دی کہ قمیص کو دیکھ لیا جائے اگر آگے سے پھٹی ہے تو زلیخا سچی ہے اور پیچھے
سے پھٹی ہے تو یوسف سچّا ہے۔ بالآخر قمیص نے زلیخا کا مکر چلنے نہ دیا اور یوسف کو پاک دامن ثابت کیا۔ پھر قمیصِ یوسفؑ حضرت یعقوبؑ
کی آنکھوں پر پڑی تو اُن کو روشن کر دیا۔ گویا قمیص کیا تھی ایک نور تھا جو کسی قسم کی نجاست اور عیب سے میلا نہ ہوتا تھا۔

مقصود بیان بچّے کے پاس بھی وحی آسکتی ہے خواہ وحی عرفی ہو یا الہام خاص۔ اللہ نے کنوئیں کے اندر کم سنی میں ہی یوسف
کے پاس وحی بھیجی تھی اور آئندہ مراتبِ عالیہ کے حصول کی خبر دے دی تھی۔ مجرم اگرچہ بناوٹی گریہ کر سکتا ہے
مگر جن کو خدا نے بصیرت دی ہے وہ نقل و اصل میں فرق کر لیتے ہیں۔ گویا کسی مدّعی یا مدعا علیہ کا رونا اس کی صداقت کی دلیل نہیں ہے۔ یوسف
کو بھیڑیئے نے نہیں بلکہ بھائیوں نے کسی جانور کے خون سے آلودہ کر کے اُس کو پیش کیا تھا۔ حضرت یعقوبؑ بیٹوں کی مکاری کو پہچان گئے
تھے۔ آیت میں مسلمانوں کے لئے ایک خاص درس ہے کہ مصائب کے وقت صبر جمیل اختیار کریں، کسی سے اپنے اندوہ و غم کی شکایت نہ کریں
اور مصائب دور کرنے کی اللہ ہی سے دعا کریں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ جائیں کوشش بالکل نہ کریں بلکہ مقصد یہ ہے کہ درد
و مصیبت کا نوحہ کرتے نہ پھریں، اللہ سے دعا کریں اور مصیبت دور ہونے کی جائز کوشش کریں جس طرح حضرت یعقوبؑ نے کیا وغیرہ۔

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ۭ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ

اور ایک قافلہ آنکلا　انھوں نے اپنے سقہ کو بھیجا　سقّہ نے کنوئیں میں ڈول ڈالا　اور بول اُٹھا آہا بڑی خوشخبری کی بات ہے یہ تو لڑکا ہے

وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ

اور قافلہ والوں نے یوسف کو مال سمجھ کر چھپا لیا　اور جو کچھ وہ کر رہے تھے اللہ اس سے خوب واقف ہے　بھائی یوسف کو چند کھوٹے درہموں کی

دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ⓔ　ع ۲ / ۱۲

قیمت پر　بیچ　آئے　کیونکہ وہ　اُس سے　بیزار تھے

تفسیر حضرت یوسفؑ کنوئیں کے اندر ایک روز یا تین روز رہے۔ یہودا کھانا لاکر پہنچا دیتا تھا۔ اتفاقاً اُدھر سے بنی خزاعہ کا ایک قافلہ گزر
جدھر جا رہا تھا۔ کنوئیں کے قریب اُس نے قیام کیا (یعنی یہ کنواں عام گزرگاہ کے قریب تھا جہاں مسافر اُترا کرتے تھے۔ اسی
بنا پر بعض لوگوں نے اس کو بیت المقدس کا کنواں قرار دیا ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ قافلہ شام یا مدین سے آرہا تھا۔ راستہ بھول کر ادھر
آنکلا۔ اُس کو کنواں معلوم نہ تھا کیوں کہ یہ آبادی سے دُور تھا اور سوائے چرواہوں کے عام قافلہ والے اس سے پانی نہ لیا کرتے تھے۔ بعض کہتے ہیں
کہ یہ کنواں خشک تھا۔ بعض کے نزدیک پانی تھا، مگر کھاری (یوسفؑ کی برکت سے میٹھا ہو گیا) اور مالک بن زعر خزاعی پانی لینے کنوئیں پر بھیجا۔ مالک
نے جاکر کنوئیں میں ڈول ڈالا، یوسف ڈول میں بیٹھ گئے۔ مالک نے کھینچا تو خوبصورت لڑکا۔ انتہائی خوشی سے چلّا اٹھا، آہاہاہا۔ یہ تو عجیب لڑکا
آیت وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً کے مفسرین نے دو معنی بیان کیے ہیں۔ ابن جریر، مجاہد اور سدی نے تو یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مالک کے
ساتھ جو قافلے والے کنوئیں پر آئے تھے انھوں نے یوسف کو پایا اور اس بات کو قافلہ کے دوسرے آدمیوں سے چھپا لیا تاکہ یوسف کو بطور سرمایہ
تجارت کے خاص اپنے لئے محفوظ کر لیں دوسروں کو شریک ہونے کا موقعہ نہ دیں۔ ابن عباس و ضحاک وغیرہ کا قول ہے کہ بھائیوں نے یوسف
کی حالت کو چھپا لیا۔ یعنی یہودا جو یوسف کی خبر رکھتا تھا۔ جب کنوئیں پر آیا اور اس کو معلوم ہوا کہ قافلے والے نکال کر لے گئے تو اس نے دوسرے
بھائیوں کو اطلاع کی۔ سب بھائی جمع ہو کر قافلہ سے ملے۔ یوسف کی اصلی حالت ظاہر نہ کی بلکہ اس کو مفرور غلام قرار دیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ ہم

toobaafoundation.com

اس کو لینا نہیں چاہتے۔ کچھ اس کے بیچنے کی ہم کو خواہش و رغبت نہیں۔ تھوڑے داموں کو فروخت کریں گے۔ الغرض قافلہ والوں نے برادرانِ یوسف سے یوسف کو چند کھوٹے داموں میں خرید لیا۔ ابن مسعود نے درہم کی تعداد ۲۰ اور مجاہد نے ۲۲ بتلائی ہے۔ ابن عباس۔ بکالی، سدی، قتادہ اور عطیہ نے اتنا اور اضافہ کیا کہ ۲۰ درہم کو فروخت کیا اور ہر بھائی نے دو دو درہم لے لئے۔ محمد بن اسحاق اور عکرمہ نے چالیس درہم لکھے ہیں۔

مقصودِ بیان نیک بختی اور بدنصیبی ازلی چیز ہے۔ یوسفؑ کے بھائی بدنصیب تھے۔ ایسے گنج گراں مایہ کو چند کھوٹے سکوں میں انتہائی بے رغبتی کے ساتھ فروخت کر ڈالا اور اہلِ قافلہ کیسے خوش قسمت تھے کہ دُرِ بے بہا کو مفت پایا۔ جوبن کا تماشا آنکھوں والوں کو دکھائی دیتا ہے۔ یوسف کی شان اور ان کے روحانی آفتاب کی کرنیں نہ بھائیوں کو نظر آئیں نہ قافلہ والوں کو۔ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ روحانی روشنی کو دیکھنے کے لئے روحانی آنکھوں کی ضرورت ہے۔ اولیاء اللہ کو مادی آنکھیں رکھنے والے نہیں پہچانتے۔ آیات اس مفہوم پر بھی دلالت کر رہی ہیں کہ آدمی کو کسی قسم کی مصیبت سے تنگ آ کر مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ یہ مصیبت کامرانی کا پیش خیمہ ہو۔ جس طرح یوسف کے مصائب حصول سلطنت کا باعث ہوئے اور خدا تعالیٰ نے کل مصر والوں کو ان کا غلام بنا دیا۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ

اور اُس مصری شخص نے جس نے یوسفؑ کو خریدا تھا اپنی بیوی سے کہا اس کی خوب تواضع کرنا شائد یہ ہمارے کام آئے یا ہم اس کو بیٹا

وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ

بنا لیں اسی صورت سے ہم نے یوسف کو اس ملک میں قوت عطا کی اور تاکہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر سکھا دیں (یہ تدبیر کی)، اللہ اپنے

غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ آتَيْنَاهُ حُكْمًا وَعِلْمًا ۚ

کام پر قادر ہے مگر اکثر آدمی ناواقف ہیں جب یوسفؑ اپنی جوانی کو پہنچا تو ہم نے اس کو حکمت و علم عطا کیا

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝

ہم اسی طرح نیکی کرنے والے کو بدلا دیتے ہیں

تفسیر جب حضرت یوسفؑ کو مسافروں کے ہاتھ فروخت کر کے اُن کی حراست میں دے دیا تو بے فکر ہو گئے اور سمجھ لیا کہ اب باپ کی پوری توجہ ہماری ہی طرف ہو گی، لیکن خدا کو منظور کچھ اور تھا۔ کنعان مقامِ سلطنت نہ تھا۔ یوسف کو نبوت کے ساتھ سلطنت دینی مقصود تھی۔ بھائیوں کی دشمنی اور یہ ناشائستہ حرکات ان کے عروج کے لئے اکسیر ثابت ہوئیں۔ اگر اس طرح فروخت نہ کئے جاتے تو مصر کیسے پہنچتے اور مملکتِ مصر کیسے حاصل ہوتی۔ غرض قافلہ مصر پہنچا۔ اس زمانے میں مصر کا بادشاہ خاندانِ عمالقہ میں سے تھا جس کا نام ریان اور لقب فرعون تھا۔ ابن جریر کے نزدیک حضرت موسیٰؑ کے زمانے کا فرعون ریان کا پوتا تھا۔ کیونکہ ریان کے بعد قابوس اور قابوس کے بعد ولید پھر مصعب حکمراں ہوئے۔ یعنی مصعب فرعونِ موسیٰ تھا۔ فرعون مصر کا ایک وزیر خزانہ یا وزیر اعظم تھا جس کا نام بقول اہلِ کتاب پوتیفار یا قوطیفار اور بروایت عوفی از ابن عباس قطفیر اور بقول محمد بن اسحاق اطفیر بن روحیب یا روحب تھا اور لقب عزیز تھا۔ ملکی نظم و نسق عزیز کے ہی قبضہ میں تھا۔ عزیز مصر لاولد تھا۔ اس کی بیوی بقول محمد بن اسحاق راعیل بنت رعاییل تھی اور راعیل ریان بن ولید شاہ مصر کی بھانجی تھی۔ دیگر اصحاب سیر نے راعیل کی بجائے زلیخا نام لکھا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ راعیل نام تھا اور زلیخا لقب۔ بہرحال مالک بن زعر یوسفؑ کو مصر کے بازار میں لے گیا اور

toobaafoundation.com

فروخت کرنا چاہا۔ قیمت بیش از بیش ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ آخری بولی عزیز مصر کے نام چھوٹی۔ عزیز مصر حضرت یوسف کو لے کر اپنے گھر آیا اور چونکہ لاولد تھا اُس نے اپنی بیوی سے کہا اس کو اچھی طرح رکھنا کوئی دکھ نہ پہنچنے پائے۔ اس کے بشرہ سے آثار بلندی ظاہر ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارے کارخانوں کے انتظام کے لئے بہترین کارندہ ثابت ہو اور شاید ہم اس کو بیٹا ہی بنالیں۔

برادران یوسفؑ نے سمجھا تھا کہ نبوت شاید میراث ہے اور چونکہ باپ کی محبت یوسف سے بہت ہے، اس لئے یقیناً وہ اسی کو اس وراثت کا مالک کر دیں گے اور ان کا خیال یہ بھی غالب ہوا کہ نبوت و ولایت تدبیر سے حاصل ہو سکتی ہے، مگر یہ دونوں خیال غلط تھے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کا حکم کوئی نہیں روک سکتا۔ ہم کو مقصود تھا کہ یوسف کو ظاہری اور باطنی ترقی دیں۔ ملک میں بھی اس کا اثر اور تسلط پھیلائیں اور خواب کی تعبیر بھی اس کو سکھائیں۔ یعنی تعبیر خواب کا علم دے کر اسرار الٰہیہ اور علوم غیبیہ اس کے ذریعہ سے کھولیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جب یوسف پختہ عمر کو پہنچ گئے اور عمر و قوت کے لحاظ سے حکومت و معرفت کے قابل ہو گئے تو اللہ نے ان کو حکومت مصر بھی عطا کی اور نبوت بھی۔ یوسفؑ کو کتنی عمر میں پہنچ کر حکومت اور علم حقیقی ملا؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس، مجاہد اور قتادہ نے ۳۳ سال، ضحاک نے ۲۰ سال، عکرمہ نے ۲۵ سال، حسن بصری نے ۴۰ سال، سدی نے ۳۰ سال مختلف مدتیں کی ہیں۔

مقصود بیان یوسف کے مصائب کا خاتمہ انتہائی عروج پر ہوا۔ اس میں ایماء اس جانب ہے کہ مسلمانوں کو بھی تکلیف سے ڈرنا اور مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ نیکو کاروں کو خدا ایسا ہی انعام دیا کرتا ہے۔ تم کرو گے تم پاؤ گے۔ یوسف نے راہ استقامت سے لغزش نہ کھائی ثمن کو ملا۔ آیت میں اس کی بھی فی الجملہ صراحت ہے کہ عام آدمی ظاہری تدبیروں کو مؤثر جانتے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے ہوتا وہی ہے جو خدا چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ دشمن سے دوست کا کام نکالتا اور منشاء قدرت کو پورا کرتا ہے۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۚ قَالَ

یوسف جس عورت کے گھر میں تھا اُس عورت نے یوسف کو پھسلایا　اور دروازے بند کر کے کہنے لگی　لو آؤ　یوسفؑ نے

مَعَاذَ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ ۖ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ○ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهِ ۖ وَهَمَّ بِهَا لَوْ

کہا خدا بچائے بیشک عزیز میرا آقا ہے اُس نے مجھے اچھی طرح رکھا حق تلفی کرنیوالوں کا بھلا نہیں ہوتا ہے　اُس عورت نے یوسف کی طرف ارادۂ بد کیا اور اگر

لَا أَن رَّأَىٰ بُرْهَانَ رَبِّهِ ۚ كَذَٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ ۚ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ ○

یوسف نے اپنے رب کے برہان کو نہ دیکھ لیا ہوتا تو وہ بھی عورت کی طرف ارادہ کر ہی چکا ہوتا اس بات کی وجہ یہ تھی کہ ہم یوسف سے بیحیائی اور بُرائی کو دور رکھنا چاہتے تھے بلا شبہ وہ ہمارے نیک بندوں میں سے تھا

تفسیر آیات کا تفسیری مطلب بیان کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند امور کی تحقیق کر دی جائے:۔ (۱) عزیز کی بیوی نے یوسفؑ کو پھسلایا اور وصل کی طرف مائل کیا جب یہ حربہ کارگر نہ ہوا تو دروازے مضبوطی کے ساتھ بند کر دیے اور زبردستی کرنی چاہی۔ لفظ ھَیْتَ بقول حسن بصری سریانی ہے اور سدی کے نزدیک قبطی ہے اور بخاری نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حورانی ہے لیکن دیگر بڑے تابعین و صحابہ نے تصریح کی ہے کہ یہ لفظ عربی ہے۔

(۲) یوسف نے زبردستی کا بھی کوئی اثر نہ لیا اور خدا کی پناہ مانگی اور فرمایا میں ایسی بیجا حرکت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ وہی میرا پروردگار ہے، اسی نے میری عزت و آرام میں اضافہ فرمایا اور قید سے نکال کر اس مرتبہ پر پہنچایا۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یوسف نے عزیز مصر کو اپنا رب قرار دیا اور عزیز ہی کے متعلق فرمایا أَحْسَنَ مَثْوَايَ لیکن اگرچہ یہ قول شرعاً درست ہے کیونکہ رب سے رب حقیقی مراد نہیں بلکہ مربی اور سرپرست مراد ہے، مگر یوسفؑ کی شان دیکھتے ہوئے سوء ادب پر مبنی ہے، یوسفؑ نبی تھے اور نبی سوائے خدا کے کسی دوسرے کو اپنا مجازی رب نہیں کہہ سکتا۔

toobaafoundation.com

(۳) زلیخا نے یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف نے زلیخا کا ارادہ کیا۔ کس چیز کا ارادہ کیا، کیا مقصد تھا، ارادہ کا کیا مطلب ہے؟
اس کے متعلق چند قول ہیں:۔ ۱ زلیخا نے وصل یوسف کا ارادہ کیا اور یوسف نے زلیخا کے وصل کا پختہ ارادہ کر لیا۔ مبادی سے درجۂ اوست پہنچے اور قریب قربت پہنچنے کو تھے کہ برہانِ الٰہی کو دیکھا اور زنا سے باز رہے۔ اس قول کی تائید میں مختلف تابعین وصحابہ کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں، لیکن اصول روایت کے لحاظ سے سب غلط یا کمزور ہیں۔ ابن کثیر نے اسی بنا پر کسی قول کو نقل نہیں کیا۔ ہم بھی نہیں بیان کرتے۔ رازی نے بھی ان روایات کے ثبوت سے انکار کیا ہے اور چونکہ اس قول پر نبی کی تنقیص لازم آتی ہے اور آیت کی صراحت کے بھی خلاف ہے، اس لئے ہمارے نزدیک یہ مطلب صحیح نہیں۔ ۲ ارادہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ دل میں عزم کر لیا، سوچا، غور کیا، خواہش غالب آئی، ابھی ابتدائی حرکت کا صدور بھی نہ ہوا تھا کہ برہانِ رب دیکھنے کے بعد عزم فسخ کر دیا۔ اس قول پر بھی قلبی زنا ثابت ہوتا ہے جس کو انبیاء کی شان پاک ہے۔ ۳ زلیخا نے یوسف سے وصال چاہا اور یوسف نے بھاگنے کا قصد کیا۔ یہ قول معنی کے اعتبار سے اگرچہ صحیح ہے، مگر کلام عربی میں تحریف اور عرب کے محاورہ کے خلاف ہے، اس لئے ضعیف ہے۔ ۴ آیت وَهَمَّ بِهَا جزاء مقدم ہے۔ لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ شرط مؤخر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یوسف اپنے رب کی برہان کو نہ دیکھ لیتا تو قصد کر ہی چکا تھا۔ حاصل یہ کہ چونکہ اس نے برہانِ الٰہی کو دیکھ لیا، اس لئے قصد ہی نہ کیا۔ یہ قول ابو عبیدہ کا ہے جس کو ابو حاتم نے روایت کیا ہے۔ اس مطلب میں اگرچہ تنقیص انبیاء لازم نہیں آتی، مگر عربی محاورہ کے خلاف ہے۔ ابن عربی نے اس کو محل تامل قرار دیا ہے۔ ۵ یوسف نے زلیخا کا قصد ضرور کیا ھَمَّ کے لغوی معنی قصد ہی کرنے کے ہیں، لیکن قصد سے وہ مراد نہیں ہے جو کوتاہ اندیش راویوں نے یہودیوں کی اختراع وہ غلط معنی پر اعتبار کر کے بیان کی ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یوسف نے باقتضائے بشری اُس عورت کی اضطراری خواہش کی۔ بات یہ ہے کہ قصد اور خواہش کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری دوسری غیر اختیاری۔ اختیاری خواہش کا مطلب بالکل ظاہر ہے جس طرح عام طور پر بالارادہ کام کئے جاتے ہیں اور اختیار ارکان میں دخل ہوتا ہے۔ غیر اختیاری خواہش وہ ہوتی ہے کہ خود بخود بمقتضائے خلقت کسی طرف میلان طبعی ہو جائے اور دل جھک جائے۔ مثلاً خوبصورت چیز دیکھ کر اس کو پسند کرنا، بدصورت سے نفرت کرنا، ترشی کھاتے دیکھ کر منہ سے پانی جاری ہو جانا۔ حضرت یوسفؑ کا قصد اس طرح کا تھا۔ امام بغوی نے معالم التنزیل میں بعض محققین کا قول نقل کیا ہے کہ قصد یوسف سے مراد خطرات نفس ہیں۔ اس سے مراد بھی وہی غیر اختیاری رغبت ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے کہ جس طرح سخت گرمی میں روزہ دار سرد پانی دیکھتا ہے اور خود بخود اس کی طبیعت پانی کی طرف مائل ہو جاتی ہے، لیکن وہ اپنے اختیار سے روزہ میں پانی پینے کو خلاف شریعت جان کر طبیعت کو روکتا ہے یا کوئی نوجوان تندرست آدمی کسی حسین و دل کش عورت کو دیکھتا ہے تو اس کو اس کی طرف طبعی رغبت ہوتی ہے، مگر وہ اپنی عقل کو کام میں لا کر نتائج دنیوی و اُخروی پر غور کر کے نفس سے جہاد کرتا اور طبیعت کو روکتا ہے۔ اسی طرح یوسف بھی آدمی تھے۔ طبعی غیر اختیاری میلان اُن کو ہوا، لیکن عقل و نبوت کی روشنی میں وہ اس تاریک راستے پر چلنے سے بچ گئے۔ بیضاوی نے بھی یہی مطلب بیان کیا ہے کہ یہاں قصد سے مراد ہے طبیعت کا میلان کرنا شہوت و عقل میں مقابلہ کرنا۔ ثعلبہ نے بیان کیا ہے کہ یوسف نے قصد کیا وہ بغیر عزم تھا۔ یہ قصد محض نفس کے خطرات تھے۔ آپ قوت سے فعل میں لانا اُن کو نہ چاہتے تھے۔ یہی مطلب میرے نزدیک حق ہے اور افسوس ہے اردو اور فارسی کے اُن مفسرین پر جنہوں نے یہودی روایات کو صحیح جان کر اس آیت کے مطلب میں دھوکا کھایا۔ خدا ان کو معاف فرمائے۔ دیکھو اس کے آگے خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ شیخ ابو السعود نے اس آیت کا صاف مطلب اس خوبی سے بیان کیا کہ ہمارا مدعا بغیر کسی شبہ کے ثابت ہو جاتا ہے۔ فرماتے ہیں اگر یوسف نے بدی کا ارادہ کیا ہوتا اور تائید الٰہی اُس بدی سے یوسف کو بچا یا جاتا تو اس طرح کلام ہونا چاہیے کہ یوسف نے ارادہ کر لیا تھا۔ اگر وہ برہانِ رب کو نہ دیکھتا تو مرتکب ہو جاتا۔ ہم نے اس کو اپنی طرف سے برہان دکھائی تاکہ اس کو بدی سے بچا لیں۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا بلکہ یوں فرمایا ہم نے یوسف کو برہان دکھائی تاکہ اس کی طرف سے بدی کو پھیر دیں۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ بدی نے اس کی جانب بڑھنے کا ارادہ کیا، مگر اس کی اختیاری خواہش اس کے خلاف تھی، ہم نے اس کو برہان دکھائی تاکہ اُس کے

toobaafoundation.com

پاس بدی کو پہنچنے ہی نہ دیں۔

(۴) برہان ربہ۔ میں بھی علماء کا اختلاف ہے۔ جن لوگوں نے علمائے سلف پر اتہام لگایا اور ان سے صحیح وغلط روایات نقل کی ہیں انھوں نے برہان کے معنی کی توضیح اس طرح کی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے فعل قبیح کا ارادہ کرلیا اور قریب تھا کہ واقع ہوجائے اگر غیب سے ممانعت کی آواز سنی۔ اس پر بھی باز نہ آئے تو دوبارہ پھر وہی آواز سنی پھر تیسری بار سنی۔ آخر میں حضرت یعقوبؑ کی صورت دیکھی کہ آپ دانتوں میں انگلی دبائے کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر یوسفؑ بھاگے۔ بعض نے لکھا ہے کہ یوسفؑ کو مکان یا دیوار یا چھت پر ممانعت کے کچھ جملے نظر آئے۔ بعض کا قول ہے کہ بحکم الٰہی جبرئیل نازل ہوئے اور انھوں نے آکر یوسف کو منع کیا۔ ہمارے نزدیک برہان سے وہی روحانی روشنی اور عقلی بازداشت مراد ہے جو قوت شہوانی پر غالب آجایا کرتی ہے۔ خطرۂ نفس پیدا ہوتا ہے، مگر خدا تعالیٰ اپنی رحمت سے الہام عقلی کے ذریعہ اپنے خاص بندہ کو اس فعل بد کے نتائج سے آگاہ فرما دیتا ہے اور پھر وہ بندہ فعل بد سے رک جاتا ہے۔ یوسف کے لئے اگرچہ بغیر اختیاری کشش کا سرمایہ کافی موجود تھا، ہر چیز اشتہا انگیز تھی، مگر نورِ نبوت اور عقلی معرفت ارتکاب قبیح سے مانع آئی۔

آیات کا واضح مطلب یہ ہے کہ زلیخا نے ہر چند بہکایا دھمکایا، دروازے مقفل کردئے، لیکن یوسف نہ مانے۔ بجائے ماننے کے زلیخا کو بھی اس خواہش سے روکا اور فرمایا خدا کا یا عزیز کا مجھ پر یہ احسان ہے اور میں ایسی کھلی خیانت کروں، مجھ سے یہ بیجا حرکت نہیں ہوسکتی۔ بیجا حرکت کرنے والوں کا نتیجہ اچھا نہیں ہوتا۔ زلیخا نے نہ مانا وصل کا پختہ ارادہ کرچکی تھی اور باقتضائے بشری یوسف کو بھی غیر اختیاری خواہش ہوگئی تھی، مگر فطری برہان الٰہی اور عقلی نور سامنے آیا۔ یوسف نے اس کو دیکھا اور فعل بد سے محفوظ رہا۔ یہ صرف اللہ کا فضل تھا کہ ہر برائی کے حملہ کو یوسف کی طرف سے اللہ نے دفع کردیا۔ کیونکہ تقدیر ازلی میں یوسف خدا کا خالص مخلص اور برگزیدہ بندہ تھا پیوستۂ تقدیر کے خلاف کس طرح ہونا ممکن تھا۔

مقصود بیان

امیر ہو یا غریب، بادشاہ ہو یا فقیر نفسانی جال سے سوائے اللہ کے خاص بندوں کے بہت کم لوگ محفوظ رہتے ہیں۔ زلیخا نے یوسف کو بہکایا تھا، دروازہ بھی مکمل طور پر بند کردیا تھا۔ تالیف اور رجھانے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی، گر یوسفؑ نے زنا کا ارادہ نہیں کیا۔ آیت میں درپردہ اس بات کی بھی مسلمانوں کو تلقین ہے کہ محسن کشی اچھی نہیں ہوتی۔ محسن کوئی ہو اس کا احسان ماننا لازمۂ اسلام ہے۔ امانت میں خیانت خصوصاً محسن کی آبروریزی بہت بُرا فعل ہے۔ اللہ کے جو نیک بندے ہوتے ہیں مصیبت کے وقت انسان کی کارسازی کرتا ہے۔ باوجود تمام اسباب شیطنت کے جمع ہونے کے پھر بھی شیطان ان پر مسلط نہیں ہوسکتا۔ سعید ہونا ازلی حکم ہے جو بدل نہیں سکتا وغیرہ۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيصَهُ مِن دُبُرٍ وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ

اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے عورت نے یوسفؑ کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ ڈالا اور عورت کا شوہر دروازے کے پاس دونوں کو ملا عورت بولی جو شخص تیری بیوی سے

مَنْ أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَن يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَن

بدکاری کا ارادہ کرے اس کی سزا سوائے اس کے کیا ہوسکتی ہے کہ اس کو قید کردیا جائے یا کوئی اور دردناک سزا ہو یوسف نے کہا اسی نے مجھ کو بہکایا تھا اور عورت

نَّفْسِي ۚ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا إِن كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِن قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ

کے خاندان میں سے ایک شخص نے گواہی بھی دی کہ اگر یوسف کا کرتہ سامنے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور یوسف

toobaafoundation.com

مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

جھوٹا ہے اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور یوسف سچا ہے

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ

لیکن جب دیکھا تو کرتہ پیچھے سے پھٹا نظر آیا عزیز بولا یہ تم عورتوں کا فریب ہے بلاشبہ تمہارا فریب بڑا ہے یوسف تم

ع ۳ ۹ ۱۲ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۫ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ښ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِــِٕيْنَ ۝

اس بات کو جانے دو اور اے عورت تو اپنے قصور کی معافی مانگ تو ہی تھی مجرم تھی

تفسیر خلاصہ مطلب یہ ہے کہ جب یوسف نے زلیخا کا کہنا نہ مانا اور فتنے سے بچنے کے لئے بھاگے تو زلیخا ان کے پیچھے پکڑنے کو دوڑی۔ کعب احبار نے بعض اخبار یہود سے نقل کیا ہے کہ سات دروازے تھے اور سب مقفل تھے۔ یوسف جس دروازے تک پہنچتے بحکم الٰہی وہ کھل جاتا۔ غرض آخری دروازے پر پہنچے۔ زلیخا نے کرتے کا دامن پیچھے سے پکڑ کر کھینچا۔ کپڑے کا ٹکڑا ہاتھ میں آگیا، یوسف نکل گئے۔ دروازے پر عزیز مصر شاہی اسٹاف کے ایک آدمی کے ساتھ آ نکلا۔ عورت کو اپنی رسوائی کا اندیشہ ہوا فوراً بات بنائی، لیکن یہ بھی ڈر تھا کہ غیرت میں آکر کہیں عزیز قتل یوسف کا حکم نہ دے دے، اس لئے بولی جس نے تیری بیوی پر بری نیت ڈالی ہو اس کی سزا سوائے اس کے اور کیا ہو سکتی ہے کہ کچھ مدت اس کو قید رکھا جائے یا کوئی سخت جسمانی سزا دی جائے گو یا یوسف کو قتل سے بچانے کی سزا بھی خود تجویز کر دی۔ حضرت یوسفؑ نے اپنی برات کا اظہار کیا۔ زلیخا کو اس جرم کا مرتکب قرار دیا مگر انتہائے شرم کے مارے زلیخا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نہیں فرمایا بلکہ غائبانہ ضمیر کے ساتھ فرمایا اسی نے مجھے اغوا کیا تھا۔ میرا اس میں کیا قصور ہے۔ عزیز کشمکش و پیچ میں ہوا کہ کیا فیصلہ کرے۔ زلیخا دروازے پر ہے۔ آٹھ سنگار کئے ہوئے ہے۔ یوسف کے کرتے کا دامن ہاتھ میں ہے پھر کس طرح یوسف کو جھوٹا کہے۔ پھر یہ بھی جانتا ہے کہ حرم شاہی کے اندر سینکڑوں نوکروں اور ماماؤں کی موجودگی میں ایک غلام کی یہ ہمت ہو سکتی ہے کہ حرم شاہی پر نظر ڈالے۔ اُدھر زلیخا بیوی ہے۔ غلام کے مقابلے میں بیوی کی تکذیب کس طرح ممکن ہے غرض تحقیقات شروع کی۔ زلیخا کے گھر کے ہی ایک شخص نے یوسف کی برات اور زلیخا کے جرم کی شہادت دی۔ یہ شاہد کون تھا؟ اس میں اختلاف ہے۔ ابن عباس، حسن بصری، ضحاک، سعید بن جبیر، ہلال بن یساف اور ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ وہ گہوارہ کا بچہ تھا۔ بلکہ ایک حدیث صحیح اس کے متعلق ابن جریر نے نقل کی ہے۔ اس حدیث میں منجملہ ان لڑکوں کے جنہوں نے شیر خوارگی کی حالت میں کلام کیا ہے شاید یوسف کو بھی شامل کیا ہے، لیکن مجاہد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوئی داڑھی والا مرد تھا، بعض روایات میں آیا ہے کہ ہرنی نے شہادت دی تھی یا کوئی غیبی آواز آئی تھی، لیکن موخر الذکر تمام روایات کمزور ہیں۔ صحیح اول ہی قول ہے۔ مِنْ اَهْلِهَا کا لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے اور ایک مرفوع حدیث بھی اس کی موید ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ عزیز کے ساتھ اسٹاف کا جو آدمی تھا پہلے اس نے شہادت دی ہو اور ممکن ہے کہ غیبی آواز بھی آئی ہو یا ہرنی بولی ہو، مگر عزیز کے نزدیک قابل اعتبار جو شہادت تھی وہ شیر خوار بچہ کی تھی۔

مقصود بیان آیات بتا رہی ہیں کہ عورتوں کا فتنہ اور ان کی مکاری نہ پوستہ بلا ہے۔ زلیخا نے فوری طور پر ایسی بات گھڑی جس کو سوچنے کے لئے کافی دیر کی ضرورت تھی۔ نیک بندہ اگر اپنی نیکی پر قائم رہے تو غیب سے اس کی مدد کے سامان ہو جاتے ہیں۔ شیر خوار بچہ کا گویا کر دینا خدا کے نزدیک کوئی بڑا کام نہیں۔ اس نے یوسف کی صداقت ظاہر کرنے کے لئے بچہ کو گویا کر دیا۔ گویا اس میں مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ صداقت و حقانیت پر قائم رہو کسی لالچ یا خوف سے سچائی کو ہاتھ سے نہ جانے دو اللہ غیب سے تمہاری مدد کرے گا۔

toobaafoundation.com

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَّفْسِهِ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۖ إِنَّا

شہر میں کچھ عورتیں کہنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام کو پھسلا کر کاربراری چاہتی ہے اس کے دل میں وہ غلام جگر پکڑ گیا ہے ہم خیال

لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ○ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ

کرتی ہیں کہ عورت کھلی ہوئی غلطی میں ہے عزیز کی عورت نے جب اُن کی غلطی سُنی تو اُن کو بُلوا بھیجا اور اُن کے لئے ایک مجلس

مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ

آراستہ کی اور اُن میں سے ہر ایک کو ایک ایک چھری دی اور بولی یوسف! ان کے سامنے نکل کر آجاؤ عورتوں نے جب یوسف کو دیکھا تو

وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَٰذَا بَشَرًا ۚ إِنْ هَٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ ○ قَالَتْ

(حسن بشری سے) بڑھ کر پایا اور اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور کہنے لگیں حاشا للہ یہ آدمی نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے عزیز کی عورت

فَذَٰلِكُنَّ الَّذِي لُمْتُنَّنِي فِيهِ ۖ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهُ عَن نَّفْسِهِ فَاسْتَعْصَمَ ۖ وَلَئِن لَّمْ

بولی تو یہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنے دیئے میں نے واقعی اُس کو پھسلایا تھا مگر یہ بچا رہا اگر میرے حکم کے

يَفْعَلْ مَا آمُرُهُ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُونًا مِّنَ الصَّاغِرِينَ ○ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ أَحَبُّ إِلَيَّ

مطابق یہ نہ کرے گا تو ضرور اس کو قید کر دیا جائے گا اور ضرور بے عزت ہوگا یوسف نے کہا پروردگار! یہ عورتیں جس چیز کی مجھے

مِمَّا يَدْعُونَنِي إِلَيْهِ ۖ وَإِلَّا تَصْرِفْ عَنِّي كَيْدَهُنَّ أَصْبُ إِلَيْهِنَّ وَأَكُن مِّنَ الْجَاهِلِينَ ○

دعوت دے رہی ہیں اُس سے تو مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اگر تو مجھ سے اُن کا فریب رفع نہ کرے گا تو میں اُنکی طرف مائل ہو جاؤں گا اور جاہل بن جاؤں گا

فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○

یوسف کی دعا اُس کے رب نے قبول کی اُن کے فریب کو یوسف سے رفع کر دیا کیونکہ وہ سُننے والا جاننے والا ہے

تفسیر یوسف نے اگرچہ اس واقعہ کا اظہار کسی سے نہیں کیا، لیکن مشک کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ مصر کی عورتوں کو اطلاع مل گئی کہ زلیخا کو یوسف سے عشق ہے۔ کچھ امیر زادیاں جن کی سرکردہ ساقی طباخ منعم اصطبل جیلر اور شاہی حاجب کی بیویاں تھیں، باہم کہنے لگیں کہ زلیخا کو اپنے غلام سے عشق ہو گیا ہے اور ہر طرح اس کو ترغیب دیتی ہے، مگر وہ قابو میں نہیں آتا۔ ہمارے نزدیک تو زلیخا کی یہ انتہائی غلطی ہے۔ عشق کا بھوت اس پر بری طرح سوار ہے وہ تو دیوانی ہو گئی ہے۔ ان عورتوں کا مقصود اس قول سے یہ تھا کہ انکشاف حالت ہو جائے اور وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ آخر وہ کیسا آدمی ہے کہ زلیخا باوجود بے مثل حسین ہونے کے اس کے عشق میں دیوانی ہوئی جاتی ہے۔ زلیخا کو اس بات کی اطلاع مل گئی۔ فوراً اس نے ایک زنانہ مجلس آراستہ کی۔ یوسف کو ایک جگہ بٹھا دیا۔ سب عورتوں کی دعوت کی۔ ہر

toobaafoundation.com

ایک کے ہاتھ میں پھل کاٹنے کے لئے ایک ایک چھری دے دی۔ اُدھر زلیخا کا اشارہ پاکر یوسف خلوت خانہ سے برآمد ہوئے (ادھر عورتوں کے ہوش پراگندہ ہو گئے اور بولیں حاشا للہ یہ آدمی نہیں فرشتہ ہے، نورِ مجسم ہے۔ چونکہ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ فرشتہ نہایت نورانی مخلوق ہے۔ ممکن ہے اُس زمانے میں بھی یہ خیال عام ہو، اس لئے عورتوں نے حضرت یوسفؑ کے آدمی ہونے سے انکار کیا اور فرشتہ کہا۔ بعض مفسرین نے یہ مطلب بھی لکھا ہے کہ عورتوں نے کہا حاشا یہ شخص غلام نہیں۔ غلام ایسی دلفریب شکل کے مالک نہیں ہوتے۔ یہ تو کوئی معزز بادشاہ ہے گویا اس صورت میں مَلَکٌ کا ترجمہ بادشاہ ہوگا۔ عورتوں نے مذکورہ الفاظ زبان سے بے ساختہ کہے۔ اُدھر چھری ترنج پر چھوڑ چکی تھیں، لیکن ترنج کٹنے کی بجائے ہاتھ کٹ گئے۔ ایسا ہوتا بھی ہے کہ جب انسان کسی وجہ سے انتہائی جوش یا مدہوشی میں ہوتا ہے تو جسمانی تکالیف کا اس کو احساس بھی نہیں رہتا۔ زلیخا کو موقعہ مل گیا اُس نے فوراً کہا ہاں یہ وہی شخص ہے جس کی چاہت میں میں گرفتار ہوں۔ اسی کے متعلق تم نے مجھ پر طعن کئے تھے۔ حسنِ صورت کے معائنہ میں جب سب عورتوں کو زلیخا نے شریک کرلیا اور سب نے اعتراف کرلیا اور زلیخا کو معذور سمجھا تو اس کے بعد یوسف کے حسنِ سیرت کو بیان کیا۔ کہنے لگی ہاں میں نے ہی اس کو اغوا کیا تھا، لیکن اس نے نہ مانا مجھ سے بچا رہا، لیکن اب میں صاف صاف کہے دیتی ہوں کہ اگر اس نے میرا کہنا نہ مانا تو ذلیل ہوگا اور جیل میں بھر دیا جائے گا۔ زلیخا نے جب ہر قسم کی ترغیب اور لالچ کی انتہا کر دی تو اب دھمکی اور ترہیب پر اُتر آئی کہ شاید اسی طرح کار برآری ہو جائے، لیکن جس کو خدا بچاتا ہے اور جو ازلاً معصوم ہوتا ہے اس پر کوئی داؤں چل نہیں سکتا۔ حضرت یوسف اپنے نفس کو بچاتے بچاتے تنگ آ گئے تھے اُدھر عورتیں بھی زلیخا کی طرف داری میں یک زبان ہو گئی تھیں۔ مجبوراً آپ نے تمام عیش و عشرت میں لات ماری، خونِ نبوت جوش میں آیا اور بارگاہِ الٰہی میں دعا کی پروردگار! یہ عورتیں مکار ہیں، زلیخا وصل کی طلب گار ہے اور دوسری عورتیں سفارشی ہیں۔ گویا باعث جرم میں سب ہیں۔ مجھے ان کے پنجے سے نجات دے۔ میں جیل کو اس فعل شنیع پر ترجیح دیتا ہوں اور قید کو جانا پسند کرتا ہوں۔ اگر ایسے وقت میں تو میری مدد نہ کرے گا اور ان کی مکاری کو دفع نہ کرے گا تو شاید میں بھی نادانوں کا ایسا کام کر بیٹھوں اور انہیں کے زمرہ میں میرا بھی شمار ہو جائے۔ خدا نے حضرت یوسف کی دعا قبول فرمائی۔ علماء نے لکھا ہے کہ امتحانِ مصائب پر آدمی کو دلیر نہ ہونا چاہیئے۔ اگر یوسف قید خانے کی التجا نہ کرتے تو بلا جیل کے عورتوں کے مکر سے رہائی مل جاتی، لیکن طول مدت سے گھبرا کر آپ نے قید خانے جانے کو ہی پسند کیا۔

مقصودِ بیان

مصر کی عورتوں نے زلیخا پر طعن و تشنیع مکاری کے تحت کی تھی وہ خود یوسف کو دیکھنے کی خواہش مند تھیں۔ حسنِ صورت اور شکل کی نظر فریبی انسان کے حواس کو معطل اور ہوش کو پراگندہ کر دیتی ہے اُس کو اپنے تن من کا ہوش نہیں رہتا۔ زلیخا نے حضرت یوسف کی پاک دامنی کی شہادت دی تھی۔ اللہ کے خالص بندے اُن اسبابِ عیش و ذرائع راحت کو جو دوامی تباہی کا باعث اور معصیتِ الٰہی کا سبب ہوتے ہیں ٹھکرا کر مصائب و تکالیف کو پسند کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک لذائذِ گناہ سے آلامِ فرماں پذیری قابلِ ترجیح ہوتے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو در پردہ نصیحت ہے کہ وہ دنیوی شوکت و جاہ اور لذت و نعمت جو اُخروی تباہی کا سبب ہو ہرگز اختیار نہ کریں بلکہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ، فاقہ، مرنے، قید ہونے اور گوناگوں تکالیف برداشت کرنے کو قابلِ ترجیح سمجھیں۔ کسی عیش و عشرت کے پُر فریب جال میں نہ پھنسیں۔ آخری آیات بتا رہی ہیں کہ بُرائی کو دور کرنے والا اور انسان کی عصمت کو بچانے والا بس اللہ ہی ہے۔ کافر ہو یا مؤمن سب کے کل امور اسی کے دستِ قدرت میں ہیں۔ گناہ کرنا جاہل کا کام ہے۔ اگرچہ دنیوی علوم میں وہ کتنا ہی عقل مند ہو، مگر اللہ کا نافرمان جاہل ہوتا ہے وغیرہ۔

ع ٦ ١٣

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰی حِیْنٍ ۧ وَدَخَلَ مَعَهُ

پھر نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد بھی اُن لوگوں کی رائے ہوئی کہ یوسف کو ایک مدت کے لئے قید کر دیں یوسف کے ساتھ دو جوان اور بھی

toobaafoundation.com

السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۭ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّىْٓ اَرٰىنِيْٓ

قید خانہ میں داخل ہوئے (ایک روز) ایک شخص نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ شراب نچوڑ رہا ہوں دوسرے نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے

اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ۭ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ

کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور اُس میں سے پرندے کھا رہے ہیں ہماری نظر میں تم نیک آدمی ہو ہمیں اس کی

الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ

تعبیر بتادو یوسف نے کہا جو کھانا تم کو ملتا ہے اُس کے آنے سے پہلے میں تم کو اس کی تعبیر بتادوں گا

يَّاْتِيَكُمَا ۭ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ۭ اِنِّىْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ

یہ منجملہ اُن باتوں کے ہے جو مجھے میرے پروردگار نے سکھائی ہیں کیونکہ میں نے ایسی قوم کا دین چھوڑ رکھا ہے جن کا اللہ پر ایمان نہیں ہے

هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَاۗءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَ

اور نہ آخرت کو وہ مانتے ہیں اور اپنے باپ دادا ابراہیم اسحٰق اور یعقوب کے دین پر

يَعْقُوْبَ ۭ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

میں چلتا ہوں ہمیں کسی طرح شایاں نہیں کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک قرار دیں ہم پر اور سب لوگوں پر یہ اللہ

عَلَيْنَا وَعَلَي النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝

کا فضل ہے مگر اکثر لوگ احسان نہیں مانتے

تفسیر زلیخا نے عزیز سے کہا یہ عبرانی مجھے پبلک میں رسوا کرتا پھرتا ہے اور کہتا ہے کہ زلیخا نے مجھے پھسلایا تھا اور خود پاک دامن بنتا ہے بہتر ہے کہ اس کو اس وقت تک جیل خانے میں رکھا جائے کہ یہ تذکرہ مٹ جائے۔ عزیز کو یوسفؑ کی پاک دامنی شہادت کے ذریعہ معلوم ہو چکی تھی، لیکن غیرت اور آبرو کے تحفظ کے لئے اُس نے انصاف کو قربان کرنے کا ارادہ کر لیا۔ مشیران کار سے پوچھا تو انھوں نے بھی قید کر دینے کا مشورہ دیا۔ بالآخر قید کر بھیجدیا۔ جس زمانے میں یوسف جیل خانے گئے اسی دوران میں، دو آدمی اور بھی شاہی معتوب ہو کر قید ہوئے تھے۔ بقول قتادہ ایک ساقی تھا دوسرا باورچی یا مہتمم مطبخ۔ محمد بن اسحاق نے ساقی کا نام بنلا اور باورچی کا نام بجلت لکھا ہے۔ شیخ سدی نے بیان کیا ہے کہ ان دونوں پر بادشاہ کو زہر دینے کی سازش کرنے کا الزام تھا چونکہ حضرت یوسف جیل خانے میں مشہور ہو گئے تھے۔ عبادت زہد و پرہیزگار خوش خلقی مروت وغیرہ صفات حسنہ میں جیل خانے کے اندر آپ کا نظیر نہ تھا، اس لئے ان دونوں قیدیوں کو آپ سے خاص تعلق ہو گیا تھا۔ ہر دم آپ کا ہی دم بھرتے تھے۔ حضرت نے فرمایا اللہ تم کو برکت دے، مگر جو کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے میرے لئے اس کی محبت مزید تکلیف کا باعث ہوتی ہے۔ پھوپھی نے مجھے پیار کیا تو مجھے ضرر پہنچا۔ باپ نے محبت کی تو مجھے تکلیف اٹھانی پڑی۔

زلیخا نے محبت کی تو جیل خانہ نصیب ہوا۔ دونوں نے کہا حضرت ہماری محبت اختیاری نہیں ہم مجبور ہیں۔ الغرض ایک شب دونوں نے خواب دیکھا یا جھوٹا خواب بنا کر لائے تاکہ یوسف کی صداقت کی آزمائش کریں۔ آپ نے تعبیر خواب سے پہلے اس احسان کا اظہار فرمایا جو اللہ نے آپ کے حال پر فرمایا اپنی قوت قدسیہ اور روحانیت کو بھی بیان کیا پھر انتہائی خوش اسلوبی سے دین حق کی تبلیغ اور توحید الٰہی کی تعلیم بھی دی اور ضمناً اس بات پر روشنی ڈالی کہ یہ علم خداداد مجھے اس لئے عطا ہوا ہے کہ میں خالص موحد اور دین حق کا پیرو ہوں۔

مقصود بیان عزیز اور اس کے اسٹاف والوں نے مشورہ کرنے کے بعد بمصلحت حضرت یوسفؑ کو قید کیا تھا۔ یوسف جیل خانے کے اندر بھی نیکوکار ہی رہے۔ نہ شاہی محلات کا عیش ان کو بدکار بنا سکا نہ جیل خانے کے مصائب و شدائد۔ مسلمانوں کے لئے اس کے اندر سرمایۂ عبرت پوشیدہ ہے کہ توحید، عصمت اور اصلاح عمل ایسی چیز ہے کہ نہ دنیا کی کوئی عشرت و رفاہیت اس کا مقابلہ کر سکتی ہے نہ شدید ترین تکلیف۔ لہٰذا نیکی کی طرف میلان اور بدی سے ہر حالت میں گریز کا شعار ہونا چاہیئے۔ مقولہ نقل کرنے سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ نیکوکاری عجیب چیز ہے۔ موافق مخالف اور دشمن دوست سب نیک آدمی کے گرویدہ ہوتے ہیں۔ آغاز میں چاہے دشمنی کریں، مذہبی مخالف ہوں، مگر انجام کار حقانیت کا اقرار کرنا ہی پڑتا ہے۔ اپنے واقعی کمال کو مصلحت وقت بغیر کسی فخر کے ظاہر کرنا جائز ہے جس طرح حضرت یوسفؑ نے کیا۔ مسلمان کا فرض ہے کہ انتہائی مصیبت میں گرفتار ہونے کے باوجود دین حق اور توحید الٰہی کی تبلیغ سے غافل نہ ہو جس طرح حضرت یوسفؑ جیل خانے کے اندر بھی اعلان حقانیت سے غافل نہ رہے، لیکن طریقۂ تبلیغ عاقلانہ ہو۔ دانش مندی کے ساتھ غیر محسوس طور پر مخاطب کے ذہن کو آہستہ آہستہ حق کی طرف کھینچے۔ جیسے حضرت یوسفؑ نے کیا۔ اپنی صداقت، اسرار الٰہیہ سے واقفیت اور دین حق کو استقامت کو فخریہ لہجے میں نہ بیان کرے بلکہ اگر کہیں بطور اظہار واقعہ بیان کرنا ہی ہو تو کہے یہ محض اللہ کا فضل ہے ورنہ میں کیا اور میری طاقت کیا۔ حضرت یوسف نے بھی اپنے فضائل دینی اور کمالات روحانی کا اظہار کرنے کے بعد فرمادیا کہ یہ محض اللہ کی مہربانی ہے وغیرہ۔

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

اے میرے رفیقانِ جیل کیا متفرق معبود بہتر ہیں یا اکیلا باجبروت اللہ

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ

تم اللہ کے سوا صرف ناموں کی پرستش کرتے ہو جو تمہارے اور تمہارے باپ دادا کے خود ساختہ ہیں اللہ نے اُن

اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ ذٰلِكَ

کی دلیل نہیں نازل فرمائی حالانکہ حکومت سوائے اللہ کے کسی کی نہیں اُسی نے حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی پرستش نہ کرو یہی

الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

سیدھا مذہب ہے اور لیکن اکثر لوگ ناواقف ہیں

تفسیر حضرت یوسفؑ تبلیغ کے طریقے کے ماہر تھے اور کیوں نہ ہوتے نبی تھے، نبی کے بیٹے اور نبی کے پوتے پڑپوتے تھے۔ آپ نے ایسا نہیں کیا کہ دونوں قیدیوں کے باطل دیوتاؤں کو گالیاں دینے لگتے یا اُن کے اعتقادیات کی توہین کرتے بلکہ پہلے اپنے

toobaafoundation.com

کمالات کا اظہار کیا پھر کمالات کا اصل سبب، عقیدہ توحید اور دینِ حق کی پابندی کو قرار دیا، اس لئے در پردہ دینِ کفر اور عقیدۂ شرک کا بطلان ہوا۔ پھر فرمایا (فرض کرلو کہ معبود سینکڑوں ہیں کوئی چیچک کو دفع کرنے والا ہے، کوئی پانی برسانے والا، کوئی ہوا چلانے والا، کوئی دھوپ اور روشنی دینے والا، لیکن ان کے باوجود ایک معبود ایسا ہے جس کے قبضہ میں عالم کی ہر چیز یہاں تک کہ تمہاری ہستی بھی ہے تو پھر) خود ہی غور کرو کہ در بدر ٹھوکریں کھانی اور ہر دیوتا کے سامنے سر جھکانا بہتر ہے یا اُس یگانہ بے ہمتا خدا کے سامنے جو سب پر غالب اور سب سے زیادہ زبردست ہے۔ اس کے بعد آپ صاف مطلب پر اُتر آئے اور فرمایا یہ جتنے دیوتا تم نے بنا رکھے ہیں یہ سب بے حقیقت ہیں ان میں کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں۔ تم نے اور تمہارے اسلاف نے بس نام گھڑ لئے ہیں جن کا مسمّٰی معدوم ہے ان کی ربوبیت اور الوہیت کی عقلی دلیل تو ہو ہی نہیں سکتی۔ رہی نقلی مذہبی تو وہ بھی مفقود ہے۔ اللہ نے ان کی خدائی کی کوئی دلیل و حجت نازل نہیں فرمائی۔ حقانیت و بطلان یا صدق و کذب کا فیصلہ کرنے والا سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں اور خدا نے ان کی حقانیت کی شہادت نہیں دی تو پھر ان کی پرستش کیوں کرتے ہو۔ محض اللہ کی پرستش کرو اس کا یہی حکم ہے۔

خاص نکتہ

آیت اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ سے خوارج نے فقہ کے مسئلۂ تحکیم اور پنچ بنانے کی ممانعت پر استدلال کیا ہے اور روافض نے بھی خلافت کو منصوص قرار دینے اور اجماع کے ممنوع ہونے پر اسی آیت سے ایڑی چوٹی کا زور لگایا مگر یہ ہر دو فریق کی غلط فہمی ہے۔ تحکیم اور پنچ بنانا ممنوع ہے اور ضرور ممنوع ہے، مگر اس وقت جب کہ پنچایت خلافِ قانونِ الٰہی ہو اور احکامِ شرعیہ کو پس پشت ڈال کر فیصلہ کرے۔ بالکل تحکیم کی ممانعت پر تو آیت سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ اسی طرح حرمتِ اجماع اور تنصیص خلافت پر بھی اس سے استدلال ممنوع ہے۔ اگر اجماع آیاتِ قرآنیہ کے خلاف ہو تو ضرور واجب الترک ہے، لیکن اگر کسی مختلف فیہ حکم میں (جس کی حرمت و حلت ظاہری آیات و احادیث سے نہ کھلتی ہو یا احادیث میں تعارض و تناقض نظر آتا ہو یا بظاہر نظر آیات میں باہم اختلاف محسوس ہوتا ہو) اجماع اہلِ علم ہو جائے تو کون سی قباحت لازم آتی ہے۔ یہ تو خود بخود حکمِ الٰہی کی اشاعت ہے۔ حاکم اور شارع تو بہرحال خدا ہے، لیکن اس کے حکم کو سمجھنے والے تو انسان ہیں۔ اگر عقلمند انسانوں کا اس کے کسی خاص حکم پر انتہائی غور و خوض کے بعد اجماع ہو جائے تو کیا برائی ہے۔ حدیث میں تو صاف طور پر آیا ہے۔ لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ جب کسی زمانے کے اہل الرائے اور اصحابِ بصیرت نے باہم تبادلۂ خیالات کے بعد کسی حکمِ الٰہی کا کوئی خاص مطلب سمجھ لیا اور سب نے اتفاق کر لیا کہ کلامِ الٰہی کا یہی مطلب ہے یا احادیث رسولؐ میں فلاں مقدم (فلاں) مؤخر فلاں ناسخ فلاں منسوخ ہے تو ظاہر ہے کہ ایسے اجماع کی مخالفت شرعاً کس طرح جائز ہے۔ اکثر اربابِ فہم کی مخالفت تو ہمارے جیسے کوتاہ فہم [illegible] نہیں کر سکتا۔ یہ سائنس کی تحقیقات اور آثارِ قدیمہ کے انکشافات تو نہیں کہ ہر شخص اپنی جدا تحقیق کرے۔ یہ تو مسائلِ شرعیہ اور احکام نقلیہ ہیں۔ دینِ الٰہی کلام عربی میں ہے۔ عربی کلام واضح ہے۔ ایسی حالت میں کل علمائے حق کی مخالفت اور قرنِ اوّل کے کل جلیل القدر صحابہ کی کمیٹی کی تردید احمقانہ فعل نہیں تو اور کیا ہے۔

مقصودِ بیان

حضرت یوسفؑ کے طریقہ تبلیغ کو ظاہر فرما کر اہلِ اسلام کو در پردہ تلقین کہ عقائدِ حقہ اور دینِ حق کی تبلیغ احمقانہ طور پر نہ کرو بلکہ دلائل و براہین کے ساتھ کرو اور دلائل کو بھی اس طرح بیان کرو کہ مخاطب کے ذہن میں جم جائیں اور اپنے عقائد کے خلاف سُن کر بھی اُس کو ناگواری نہ ہو۔ آیت اِنِ الْحُکْمُ بتا رہی ہے کہ شارع اور حاکم بس اللہ ہی ہے۔ عالم کا نظم درست رکھنے کے لئے قانونِ عدل کو نازل کرنا اُسی کا کام ہے۔ یہ آیت آج کل کے مسلمان مجسٹریٹوں، ججوں اور لیڈروں کے لئے تازیانۂ عبرت ہے جو ہر بات میں انگریزی ضابطۂ فوجداری یا ضابطۂ دیوانی کی تلاش کرتے ہیں اور احکام الٰہیہ کو ادنیٰ التفاتِ نظر کا بھی مستحق نہیں سمجھتے وغیرہ۔

toobaafoundation.com

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ

اے میرے رفیقانِ جیل تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی دی جائے گی اور پرندے اس کے

الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝ وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ

سر کو نوچ کر کھائیں گے جس بات کی تم تحقیق چاہتے تھے اُس کا فیصلہ ہو چکا یوسف نے اس شخص سے کہا جو اُس کے

نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ

خیال میں رہا ہونے والا تھا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا بھی تذکرہ کر دینا لیکن شیطان نے آقا سے ذکر کرنا اُس کو فراموش کر دیا

ع ۵ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ۝

اس وجہ سے یوسف قید خانہ میں کئی سال رہا

تفسیر ہو سکتا تھا کہ حضرت یوسفؑ سوال کے اختتام کے وقت خواب کی تعبیر بیان کرنی شروع کر دیتے، لیکن آپ نے ایسا نہ کیا بلکہ پہلے تبلیغ توحید کی پھر خواب کی تعبیر شروع کی۔ وجہ یہ تھی کہ طباخ کا خواب ہلاکت آفریں تھا۔ تین روز کے بعد اس کی موت مقدر تھی۔ اگر پہلے سے تعبیر دے دیتے تو پھر توحید اور دینِ حق کی بات نہ سنتا۔ موت کا غم اس پر مسلط ہو جاتا اور بالآخر بے ایمان مرتا حضرت کو یہ منظور نہ تھا، اس لئے پہلے احکامِ حق پہنچائے پھر تعبیر دینی شروع کی۔ تعبیر سننے کے بعد (بروایت ابن کثیر بحوالہ قول ابن مسعود ومجاہد وعبدالرحمٰن بن زید) دونوں قیدیوں نے کہا کہ ہم نے تو یونہی جھوٹ بات بنائی تھی کوئی خواب نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو (تمہارا مقصود رہائی کے متعلق دریافت کرنا تھا تو) اللہ کا فیصلہ کبھی کا ہو چکا (خواب دیکھنے نہ دیکھنے کو اس میں کوئی دخل نہیں) میرے نزدیک ابن کثیر کی روایت نہایت ضعیف ہے۔ اکثر اہلِ تحقیق نے اس کی تضعیف کی ہے۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ قیدیوں نے واقعی خواب دیکھا تھا۔ غرض تعبیر خواب کے بعد حضرت یوسفؑ نے ساقی سے کہا کہ تو جب فرعون کے پاس پہنچے تو میرا بھی تذکرہ کرنا اور بے قصور ہونا ظاہر کرنا۔ حضرت یوسفؑ نے خود ہی جیل کی درخواست کی تھی اور قید ہونے کی بارگاہِ الٰہی میں دعا کی تھی، مگر قید کی مصیبت سے اس قدر تنگ آ گئے تھے کہ خدا سے دعا کرنے کی بجائے ساقی سے سفارش کے خواستگار ہوئے۔ یہ بات مرتبۂ نبوت کے خلاف تھی۔ کہ اللہ کو یہ امر پسند نہ آیا کہ اس کا خاص بندہ دوسروں سے التجا کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ساقی کو مدت تک یوسفؑ کی یاد ہی نہ آئی۔

امام رازی نے فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ یوسفؑ نے ساقی سے درخواستِ سفارش کی۔ شیطان نے اُس وقت اللہ کی یاد سے اُن کو غافل کر دیا۔ جس کا پھل یہ ملا کہ چند سال مزید جیل میں رہنا پڑا۔ ساقی کی رہائی تک پانچ سال گزر رہے تھے۔ اس کے بعد تین یا پانچ یا سات سال اور گزارنے پڑے۔ کل میعادِ قید آٹھ یا دس یا بارہ سال کی ہوئی۔ وہب بن منبہ کے قول کے بموجب سات سال اور ضحاک (از ابن عباس) کی روایت بارہ سال قید میں رہے۔ واللہ اعلم۔

مقصودِ بیان آیت قُضِيَ الْاَمْرُ الخ بتا رہی ہے کہ خواب صرف ذریعۂ علم ہے خود مؤثر نہیں۔ جو کچھ ہونا ہوتا ہے اس کا فیصلہ پہلے سے اللہ کی طرف سے ہو جاتا ہے۔ جس کا علم خواب کے ذریعہ سے آدمی کو ہوتا ہے اور خدا کے خاص بندوں کو دوسرے انکشافی ذرائع سے بھی معلوم ہو جاتا ہے جس طرح حضرت یوسفؑ کو معلوم ہو گیا۔ خاص بندوں کی معمولی لغزش بھی قابلِ گرفت ہوتی ہے۔

toobaafoundation.com

جن کا مرتبہ زیادہ ہوتا ہے اُن کی گرفت بھی زیادہ ہوتی ہے۔ محض ساقی سے سفارش کرانے پر حضرت یوسفؑ کو مزید قید میں رہنا پڑا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنْبُلَاتٍ

(بالآخر) بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات گھوئی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا جاتی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں ○

خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ

اور دوسری (سات) خشک بالیاں ہیں۔ اے اہلِ دربار اگر تم خواب کی تعبیر دیا کرتے ہو تو میرے خواب کی تعبیر دو

قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ○

دربار والے بولے یہ تو پریشان خیالات ہیں اور ہم خیالات کی تعبیر نہیں جانتے

بیضاوی نے ان آیات کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ شاہ مصر نے خواب میں دیکھا کہ ایک خشک نہر سے موٹی تازی سات گائیں نکلیں اور اسی نہر سے سات دُبلی گائیں برآمد ہوئیں۔ دُبلی گائیں موٹی گائیوں کو کھا گئیں۔ اسی طرح سات سبز اور سات خشک بالیاں دیکھیں۔ یہ خواب دیکھ کر بادشاہ خوف زدہ ہوا۔ اشاف والوں سے تعبیر دریافت کی۔ انھوں نے اس خواب کو پریشان بتایا اور تعبیر دینے سے انکار کر دیا

عام طور پر خواب کی حالت میں بھی دماغ اپنا کام کرتا رہتا ہے خواہ صحیح یا غلط۔ بیداری کی حالت میں جو صورتیں آدمی کے خیال میں جمع ہو جاتی ہیں، انھیں کو خواب کی حالت میں اُلٹ پلٹ کیا کرتا ہے۔ اگر دماغ یا معدہ میں کوئی فاسد مادہ جمع ہو جاتا ہے تو اس کی کیفیت عجیب طرح سے نظر آتی ہے۔ مثلاً کسی کو نزلہ زکام ہے یا دماغ میں بلغم بڑھ گیا ہے تو خواب میں دیکھتا ہے کہ دریا میں تیر رہا ہوں یا بارش ہو رہی ہے یا طوفان آ رہا ہے یا کوئی شراب پی کر یا کوئی چیز کھا کر سویا اور صفرا میں حرکت پیدا ہوئی تو خواب میں دیکھتا ہے کہ آگ جل رہی ہے یا ہوا میں اڑا جا رہا ہوں، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب معدہ اور دماغ اصلی حالت پر ہے، قوتِ واہمہ نفس ناطقہ کے افعال میں دخل بھی نہیں دے رہی ہے، قوتِ متصرفہ کی کارگزاری بھی درست ہے تو انسانی دماغ یا دوسرے الفاظ میں یوں کہو کہ نفس ناطقہ کی توجہ عالم قدس کی طرف ہوتی ہے۔ آئندہ پیش ہونے والے واقعات کی جو کیفیت وہاں نقش ہوتی ہے نفس اس کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے پھر کبھی تو بالکل اصل کیفیت مفصل طور پر دماغی حواس کو بتا دیتا ہے جیسا کہ صریح خواب میں ہوتا ہے اور کبھی عالم قدس کے معلومات کے مناسب مادی اشیاء کو تلاش کر کے اور موزوں مادی لباس پہنا کے دماغ کے سامنے پیش کرتا ہے یہ خواب قابلِ تاویل اور محتاجِ تعبیر ہوتا ہے۔ جس وقت آدمی بیدار ہوتا ہے تو اس کے دماغ میں اصلی واقعات تو ہوتے نہیں البتہ اُن واقعات کے مناسب صورتیں اور مادی جامے ہوتے ہیں جن کا تعبیری علم ہر شخص کو نہیں ہو سکتا۔ خاص خاص علم رکھنے والے واقف ہوتے ہیں مثلاً زبیدہ نے خواب دیکھا کہ بے انتہا آدمی مجھ سے قربت کر رہے ہیں بظاہر خواب نہایت مکروہ ہے مگر اہلِ تعبیر نے تعبیر کی کہ تم کوئی ایسا کارِ خیر کرو گی جس سے ہمیشہ لوگ کثرت فیض یاب ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ زبیدہ نے ایک نہر کھدوائی اور آج تک عرب کے مختلف اطراف کے رہنے والے اور دور دراز ملکوں سے آنے والے اس سے سیراب ہوتے ہیں اور اب تک یہ خیر جاری باقی ہے۔ فرعون کے خواب کو کاہنوں اور نجومیوں نے خواب پریشان کہا کیونکہ اصل حقیقت سے وہ آگاہ نہ تھے، لیکن بادشاہوں کے خواب لطافتِ معدہ اور نظافتِ دماغ کی وجہ سے اکثر صحیح ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ خواب صحیح تھا۔

toobaafoundation.com

وَقَالَ الَّذِي نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ أَنَا أُنَبِّئُكُم بِتَأْوِيلِهِ

لیکن اُن دونوں قیدیوں میں وہی رہائی پانے والا بول اُٹھا اور مدت کے بعد اُس کو یاد آئی کہ میں تم کو اس کی تعبیر بتا دوں گا تم

فَأَرْسِلُونِ ۝ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ

مجھے بھیج دو (چنانچہ اُس نے یوسف سے جا کر کہا) یوسف اے راست گو شخص ہم کو اس خواب کا جواب دو کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو

يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَّعَلِّي

سات دُبلی گائیں کھائے جاتی ہیں اور سات سبز بالیاں ہیں اور دوسری (سات) خشک بالیاں ہیں تاکہ میں لوگوں کے پاس

أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ قَالَ تَزْرَعُونَ سَبْعَ سِنِينَ

لوٹ کر جاؤں شاید اُن کو بھی علم ہو جائے یوسف نے کہا تم سات برس لگ کر کھیتی کروگے

دَأَبًا فَمَا حَصَدتُّمْ فَذَرُوهُ فِي سُنبُلِهِ إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ ۝ ثُمَّ

تو جو کچھ کاٹو اُس کو بالوں سمیت رکھ چھوڑو ہاں تھوڑا سا نکال لو جو تمہارے کھانے میں آئے اس کے

يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ إِلَّا

بعد سات برس ایسے سخت آئیں گے کہ جو کچھ تم نے پہلے جمع کر رکھا ہوگا اُس کو کھا جائیں گے ہاں تھوڑا سا

قَلِيلًا مِّمَّا تُحْصِنُونَ ۝ ثُمَّ يَأْتِي مِن بَعْدِ ذَٰلِكَ عَامٌ فِيهِ يُغَاثُ

رہ جائے گا جو تم روک رکھوگے اُس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا کہ بارش ہوگی

ع ۶ ۷ ۱۴ النَّاسُ وَفِيهِ يَعْصِرُونَ ۝ ع

اور لوگ شیرہ نچوڑیں گے

تفسیر جب نجومی اور کاہن بادشاہ کے خواب کی تعبیر دینے سے عاجز ہوگئے تو اس وقت ساقی کو یوسف کی یاد آئی اور اجازت لے کر وہ یوسف کے پاس قید خانے میں گیا اور خواب بیان کیا۔ یوسف نے صحیح تعبیر دی۔ صدیق وہ شخص ہے جو بالکل سچا ہو۔ اگر کمال یقین، کمال ایمان اور کمال تصدیق احکام الٰہی رکھتا ہو، معاملات میں سچا، قول و فعل و نیت میں سچا اور ظاہر و باطن میں سچا ہو تو وہ اصطلاحی صدیق ہے۔ جس طرح حضرت ابوبکر صدیق تھے اور اگر خاص خاص امور میں اس کے اندر سچائی پائی جائے تو بعض امور کے لحاظ سے اس کو صدیق کہا جائے گا۔ حدیث صحیح میں آتا ہے کہ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچ ہی بولنے کا ارادہ رکھتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں صدیق لکھا جاتا ہے اور آدمی جھوٹ بولتا ہے اور جھوٹ ہی بولنے کا قصد رکھتا ہے۔ بالآخر خدا کے ہاں اُس کو کذاب لکھا جاتا ہے۔

toobaafoundation.com

ساقی نے یوسف کو صدیق اس وجہ سے کہا کہ آپ غیب کے حالات پورے پورے کمال سچائی کے ساتھ بو می یا بالہام بیان فرماتے تھے اور سچے مکاشف کے ذریعہ گزشتہ اور آئندہ واقعات صحیح صحیح ظاہر فرما دیتے تھے چنانچہ ساقی کو اس کا تجربہ بھی ہو گیا تھا۔

مقصود بیان

گائے اور بالی کو چونکہ خشک سالی اور ارزانی سے مناسبت تھی۔ گائے کا موٹا ہونا اور بالی کا سبز ہونا کثرت پیداوار پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح گائے کا دبلا ہونا اور بالیوں کا سوکھ جانا قحط سالی کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ پھر لاغر اور خشک کا فربہ اور سبز کو کھا جانا بتاتا ہے کہ قحط کے زمانے میں لوگ ارزانی اور پیداوار کے زمانے کے اندوختہ کو کھا جائیں گے اور بالآخر خشک سالی فراخ حالی کو تباہ کر دے گی۔ انھیں مناسبات کو دیکھ کر حضرت نے بعلم صدری خواب کی تعبیر دی۔ ساقی کا یوسف کو صدیق کہہ کے خطاب کرنا بتا رہا ہے کہ سچائی آخر میں غالب آجاتی ہے اور دشمنوں اور مخالفوں سے بھی اپنا اعتراف کرا لیتی ہے۔ کہاں بادشاہ کا خاص مصاحب ساقی اور کہاں ایک غریب الوطن عبرانی غلام۔ پھر زبان جدا، مذہب وملت جدا، خاندان جدا، اتنے تغایر واختلاف کے باوجود ساقی یوسف کی سچائی کے اقرار پر مجبور ہوتا ہے اور اس کی زبان سے بجائے یوسف کے صدیق کا لفظ نکلتا ہے۔ اس سے صداقت وحقانیت کے غالب آنے کی طرف اشارہ ہے۔ لفظ تَزْرَعُوْنَ بتا رہا ہے کہ اگرچہ مسبب کل خدا تعالیٰ ہے اور عالم کا کوئی سکون وعمل بغیر اس کی منشا کے نہیں ہوتا، مگر پھر بھی یہ عالم اسباب ہے۔ آدمی پر لازم ہے کہ اسباب کی فراہمی کی کوشش کرے۔ فَذَرُوْهُ الخ سے اس طرف اشارہ ہے کہ تدبیر کی درستی اور صحیح طریقے پر کوشش کرنا مقتضائے فطرت ہے۔ انگھڑ اور غلط کوشش درحقیقت کوشش ہی نہیں بلکہ شکست کوشش ہے۔ جو لوگ اندھے توکل کو ذریعۂ معرفت سمجھے بیٹھے ہیں یا دوسروں کے دست نگر ہونے کو انتہائی کوشش جانتے ہیں اُن کو اس سے نصیحت حاصل کرنی چاہیئے۔ لفظ اِلَّا قَلِيْلًا بتا رہا ہے کہ آدمی کو آئندہ کے غم میں اتنا پریشان بھی نہ ہونا چاہیئے کہ ضروری اور لازمی مصارف کو بھی ترک کر کے مرنے سے پہلے مر جائے۔ اعتدال اور احتیاط بہترین چیز ہے۔ نہ پیٹ پر پتھر باندھنا اور کوڑی کوڑی جوڑنا جائز فعل ہے نہ بندۂ شکم ہونا اور حرص واسراف کے ہاتھوں تباہ ہونا قابلِ ستائش حرکت ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ

بادشاہ نے کہا میرے پاس یوسف کو لے آؤ قاصد جب یوسف کے پاس پہنچا تو یوسف نے کہا اپنے آقا کے پاس لوٹ کر

فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۭ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ

جا اور اس سے دریافت کر کہ اُن عورتوں کا کیا حال ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے میرا رب اُن کے فریب سے

عَلِيْمٌ ۝ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ۭ

خوب واقف ہے بادشاہ نے کہا عورتو! جب تم نے یوسف کو پھسلایا تھا تو اُس وقت حقیقت حال

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْۗءٍ ۭ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ

کیا تھی؟ عورتوں نے کہا حاش للہ ہم نے اُس کی ذرا بھی بُرائی نہیں دیکھی عزیز کی بیوی بولی اب تو حق بات

toobaafoundation.com

حَصْحَصَ الْحَقُّ ز اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝

ظاہر ہو گئی میں نے اُس کو پھسلایا تھا لاشبہ وہ سچا ہے

تفسیر آیات کا مطلب ظاہر ہے حضرت یوسف کے پاس جب قاصد بلانے آیا تو آپ اس کے ساتھ نہ گئے۔ اس کے دو سبب تھے ایک تو مخلوق پر بھروسہ کرنے پہ آپ کو پہلے عتاب ہو چکا تھا، اس لئے گزشتہ قصور کی تلافی کرنی چاہتے تھے اور رہائی کے کچھ زیادہ مشتاق نہ رہے تھے۔ دوسرے گزشتہ الزام و تہمت سے اپنی پاک دامنی ظاہر کرنی چاہتے تھے جس کی بہترین ترکیب یہی تھی کہ گزشتہ مجلس والی عورتیں اور زلیخا خود آپ کی عفت کی شہادت دیں۔

امام احمدؒ نے مسند میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ بیان کیا ہے کہ حضور اقدسؐ نے (بطور تواضع و انکسار) ارشاد فرمایا کہ اگر یوسفؑ کی بجائے میں ہوتا تو (رہائی کی) دعوت کو جلد قبول کر لیتا اور اپنی بریت کا عذر نہ ڈھونڈھتا۔ صحیحین میں بھی یہ روایت مذکور ہے، مگر قدرے تغیر کے ساتھ۔ حضرت عکرمہ کی مرسل روایت ہے حضورؐ نے فرمایا مجھے یوسفؑ کا صبر و کرم بہت اچھا معلوم ہوتا ہے خدا ان کو بخشے۔ جب اُن سے بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھی گئی تو ذاتی کرم کو کام میں لاکر (فوراً) بتا دی۔ اگر میں ان کی بجائے ہوتا تو اس وقت نہ بتاتا جب تک رہا ہونے کی شرط نہ کر لیتا۔ جب اُن کے پاس بادشاہ کا قاصد بلانے آیا (تو انھوں نے حجت کی) اگر میں ان کی بجائے ہوتا تو دروازہ کی طرف سب سے آگے ہوتا، مگر یوسفؑ نے تہمت سے چھٹکارا کرنا چاہا تھا۔

مقصودِ بیان:۔ تہمت سے بچنا اور مواقع تہمت سے گریز کرنا انسان پر لازم ہے۔ اگر مدعی خود مدعا علیہ کی صداقت کی شہادت دے تو زیادہ قابلِ وثوق ہے۔ مظلوم اگر انفصال و تحقیق مقدمہ پر مصیبت برداشت کرتا رہے اور صبر کرے اور تحقیقات پر اصرار کرے تو جائز ہے۔ حاکم وقت یا کسی اور کو اگر بطریق مجاز رَبّ یعنی غریب پرور یا ان داتا کہا جائے تو جائز ہے، مگر بطریق حقیقت اگر غیر اللہ کے لئے استعمال کیا تو قطعاً حرام بالکل شرک ہے۔ اس سے احتراز لازم ہے وغیرہ۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝

یہ بات اس لئے ہوئی تاکہ عزیز جان لے کہ میں نے چھپ کر اس کی خیانت نہیں کی اور اللہ خیانت کاروں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا

تفسیر اوپر کا مقولہ زلیخا کا تھا یہ مقولہ حضرت یوسفؑ کا ہے۔ گویا یوسف کے قول کے بیچ میں خدا تعالیٰ نے زلیخا اور دوسری عورتوں کا قول ذکر فرمایا۔ سراج، معالم اور بیضاوی وغیرہ تفسیروں میں یہی مذکور ہے اور اکثر مفسر اسی کے قائل ہیں، لیکن ابن تیمیہ نے آخر تک زلیخا کا مقولہ قرار دیا ہے اور اس کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے اور بیان کیا ہے کہ یہ تمام مواعظ بلیغہ زلیخا نے ہی کہے تھے۔ میرے نزدیک ابن تیمیہ کا قول بعید از قیاس ہے۔ زلیخا اُس وقت تک کافرہ تھی۔ یوسف کی نبوت اور اللہ کی توحید کی قائل نہ تھی۔ جیسا کہ اکثر کتب سیر سے واضح ہے پھر ایک منکر توحید کی زبان سے ایسے تبلیغی اور توحیدی الفاظ شاہی دربار میں نکلنا کس قدر بعید ہے۔ واللہ اعلم۔

toobaafoundation.com

فائدہ آیت وَلَآ اَدۡرِیۡ لَمِنَ الصّٰدِقِیۡنَ زلیخا کا مقولہ ہے۔ زلیخا چاہتی تھی کہ یوسف کو زنا اور ارادۂ زنا اور اغوا وغیرہ کی ہر تہمت سے پاک ظاہر کر دے۔ جب عورتوں نے شہادت دی کہ معاذ اللہ حاشا للہ ہم نے یوسف کی کوئی بد چلنی نہیں دیکھی اور زلیخا نے میں ورا اقرار کیا کہ میں نے ہی اس کو اغوا کیا تھا اس کا کوئی قصور نہ تھا تو حاضرین کے دلوں میں شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یوسف سے کوئی ناشائستہ حرکت سرزد ہو گئی ہو۔ اگرچہ زلیخا کے بہکانے سے ہی ہو بہرحال زنا کا احتمال باقی رہتا تھا۔ اگرچہ اغوا کا شبہ زائل ہو گیا تھا اس لئے زلیخا نے حضرت یوسف کے عدم خیانت اور پاک دامنی کی تصدیق کر دی

بارھواں پارہ ختم ہوا

دینِ حق کی تبلیغ واشاعت کے لئے

عظیم الشان پروگرام

الحمد للہ فتاوی عالمگیر کے دس جز شائع ہو چکے ہیں۔ دوسرے ماہ ایک جز شائع ہوتا ہے۔ فتاوی عالمگیر تقریباً ۳۵ یا ۴۰ جز پر مکمل ہوگا ایک ساتھ کئی ممبران منگائیں گے تو ڈاک خرچ میں کفایت رہے گی اس لئے ناظرین کرام سے درخواست ہے کہ آج ہی اس پروگرام کے ممبر بنکر فائدہ حاصل کریں ——— فتاوی عالمگیری کا ہر جز اوسطاً سو صفحات پر مشتمل ہوگا۔ کاغذ سفید، رنگین دیدہ زیب ٹائٹل۔ سائز ۲۰×۳۰ کتابت، طباعت اعلیٰ اور معیاری ہے۔ ان خوبیوں کے باوجود فی جز قیمت عام دو روپیہ۔ ڈاک خرچ ایک روپیہ الگ جو کہ خریدار کے ذمہ ہوتا ہے

رعایتی تبلیغی اعلان:- جو حضرات فتاوی عالمگیری کے مستقل خریدار بنکر اپنا نام و پتہ ایک روپیہ فیس ممبری داخل کر کے بحیثیت ممبر درج رجسٹر کرائیں گے ان کو فی جز دو روپیہ کے حساب سے ارسال ہوگا۔ اور ڈاک خرچ معاف ہوگا۔

امید ہے کہ آپ اس دینی و تبلیغی مشن میں حصہ لے کر ادارہ کو شکریہ کا موقع دیں گے۔

منیجر وسیم بک ڈپو دیوبند

toobaafoundation.com